

READING SECTION

Online Library For Pakistan

WWW.PAKSOCIETY.COM

READING SECTION

Online Library For Pakistan

WWW.PAKSOCIETY.COM

اکتوبر 2016



READING SECTION

Online Library For Pakistan

WWW.PAKSOCIETY.COM

READING SECTION

Online Library For Pakistan

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com



پاکستان میں سب سے زیادہ چھاپا ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فِي آيَاتِ الْقُرْآنِ (الْمُحْتَضَر)

1	میر	دواؤ
2	بابی حسین قمر	نبردشت
3	محمد طیب ولیاس	ہوئی فرزان و حدیث
4	ناصر محمد فرہاد	نکد
7	بادشاہ اقبال	بادشاہ کہ جانی
9	راشد علی ادیب شاہی	یاد دہش
11	محمد قادیان دہلی	طوفانی کہ بچاؤ
16	ذہین قادیان	دماغ لڑاؤ
17		حضرت موسیٰ اکبرین
18		کمال 10
19	علی اکبر حسین	احسان
22	محمد امجد علی خان	نعل باستر محمد حنیف
23	نعمت محمد علی	محمد مختار
25	میر محمد علی شاہ	جیری زندگی کے ساتھ
26	مادر و محمد	سینا
28	سہارن علی شاہ	سہارا (نعمت)
29	ڈاکٹر حامی شاہ	بھگوان و انسا کو پناہ
31		برہم پور جانی
32		ضرب آتش کہانی
33	غلام حسین بھٹ	استاد کے پہلے وہ عالم
35	پندرہ اعلیٰ	نہری دین سے
36	نعمت محمد علی	کھنڈنا کا بے
37	محمد حسامت علیہ	مادر و محمد
39		ذہین مسکریا
40	محمد امجد علیہ	جہاد علی نوہ و مردوں
42		بہم سوا کی گئے سے
43	امیر محمد ان طہان	دلی
47	نعمت ادیب	آپ بھی لکھی
51	احمد محمد	نہم نہیں غلیہ خزان
55		دلیہ بڑی (اک)
57	دشبان احمد زس	سینہ جہانی دھ
61		دانشدہ ہر
62	مادر محمد شاہ	کبریا ہر
64		ادھوان

۱۱۱ بہت سے دل رعب خراٹے اور جھٹیلے
مروہ قبا: سبیرا

PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY



مدینے کی ایسی فضا اللہ اللہ
برستا ہے نور خدا اللہ اللہ
یقیناً ہے وہ بادشاہوں ہے بڑھ کر
جو ہے ان کے در کا گدا اللہ اللہ
یہ اعجاز ہے روضہ مصطفیٰ کا
سنی جائے واں ہر دعا اللہ اللہ
ہیں پہلو میں سوئے ہوئے یار دونوں
بلند ان کا ہے مرتبہ اللہ اللہ
یہ ہے بات کی وہاں احترام
خراں چلے ہے بسا اللہ اللہ
کر اپنے غلاموں پر نظر عنایت
وہ کرتے ہیں صبح و مسا اللہ اللہ
قر خوش نصیبوں میں ہے نام تیرا
تو کرتا ہے ان کی ثنا اللہ اللہ

تو ہے مخلوق کا معبود یا رب
ہے جن و انس کا معبود یا رب
بظاہر جس جگہ کچھ بھی نہیں ہے
تو ہے لیکن وہاں موجود یا رب
تمہاری ذات لا محدود کتنی
ہماری سوچ ہے محدود یا رب
جو تو میں تیری نا فرمان ٹھہریں
ہوئی وہ نیست و نابود یا رب
نہ مانا حکم اک ابلیس نے جب
وہ ٹھہرایا گیا مردود یا رب
چلے جس پر تیرے مقبول بندے
نہ ہو ہم پر وہ راہ مسدود یا رب
لیوں پر ہر گھڑی ہو ذکر تیرا
قر کا ہے یہی مقصود یا رب

ربیع حسین قر

صبح و مسا: صبح و شام
ثنا: تعریف

گدا: سوا
اعجاز: معجزہ
خراں: آہستہ آہستہ

معبود: جس کو عبادت کیا جائے، یعنی اللہ تعالیٰ
معبود: جس کی عبادت کی جائے
مسدود: بند کیا گیا

پڑوسیوں کے حقوق

فرمایا کہ ”جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آئے۔“
الحديث (مسلم، کتاب المظاہر 1352/3) ☆ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جبرئیل علیہ السلام پڑوسی کے حقوق کے بارے میں مجھے برابر تاکید کرتے رہے، یہاں تک کہ میں خیال کرنے لگا کہ یہ اس کو ذاتی قرار دے دیں گے۔“ (بخاری، کتاب الادب: 6014۔
مسلم، کتاب البر والصلة: 2624) یعنی جب ایک پڑوسی مر جائے تو اس کے باقی ماندہ مال میں جس طرح اس کے عزیز و اقارب شریک ہیں اس کے ساتھ پڑوسی کا حصہ بھی مقرر ہو جائے۔

احادیث مبارکہ میں پڑوسی کے جن حقوق کی نشان دہی کی گئی ہے، اس میں سے چند حقوق درج ذیل ہیں: (1) اگر پڑوسی تم سے مدد چاہے تو اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق اس کی مدد کرو۔ (2) اگر کبھی پڑوسی قرض مانگے تو اسے قرض دے دو۔ اگر وہ بالکل عاجز اور لاچار ہے تو قرض دینا لازم ہے، ورنہ مستحب ہے۔ (3) اگر پڑوسی بیمار ہو جائے تو اس کی پیار پرسی کرو، اس طرح کہ اس کو مزاج پرسی کرنے سے راحت حاصل ہو، تکلیف نہ ہو۔ (4) اگر پڑوسی کے ہاں کوئی خوشی ہو تو اس کی خوشی میں شریک ہو۔ یہ شرکت صرف رسم بھانے کے لیے نہ ہو بلکہ اتباع سنت، ثواب اور ان کی کے جذبے سے سرشار ہو کر ہو۔ (5) اگر پڑوسی کو کوئی تکلیف پہنچے تو اس سے تسلی اور ہمدردی کے ایسے بول بولو جس سے اس کے دل کو ٹھنڈک کا احساس ہو۔ (6) اگر پڑوسی کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرو، اس سے ثواب بھی ملتا ہے اور غم خواری بھی ہوتی ہے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”وہ شخص جنت میں نہ جاسکے گا جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔“ (مسلم، کتاب الایمان: 46) پیارے بچو! پڑوسیوں کو ہرگز تکلیف نہ دیجئے اور ان کے حقوق کا ہمیشہ خیال رکھیے۔ ☆

پیارے بچو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن پاک میں سورہ نساء آیت 36 کے اندر پڑوسیوں کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں:

(1) الْإِنْسَانُ لِلْإِنْسَانِ یعنی وہ پڑوسی جو بالکل قریب ہو، سب سے اہم حق اس پڑوسی کا ہے۔ (2) الْإِنْسَانُ لِلْإِنْسَانِ یعنی وہ پڑوسی جس کے گھر سے گھر تو ملا ہوا نہیں ہے لیکن وہ قریب ہی ہے، اسی محلے اور گلی میں دو چار گھر چھوڑ کر رہتا ہے۔ (3) الْإِنْسَانُ لِلْإِنْسَانِ جو خارجی طور پر پڑوسی بن جائے، مثلاً سفر کے دوران ساتھ بیٹھا ہو یا کھڑا ہو، یا کسی مجلس میں ساتھ بیٹھا ہو یا کسی قطار میں ساتھ کھڑا ہو، یا کلاس میں ساتھ بیٹھنے والا۔

ایک حدیث میں پڑوسیوں کی تین اقسام کو دوسرے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پڑوسیوں کی تین قسمیں ہیں: پڑوسیوں کی ایک قسم وہ ہے جس کے تین حق ہیں، ایک قسم وہ ہے جس کے دو حق ہیں اور ایک قسم وہ ہے جس کا صرف ایک حق ہے۔ (1) تین حق والا پڑوسی: وہ رشتہ دار مسلمان پڑوسی ہے، جس کو پڑوسی، اسلام اور رشتہ دار ہونا، یہ تین حق حاصل ہیں۔ (2) دو حق والا پڑوسی: وہ مسلمان پڑوسی ہے، جس کو پڑوسی اور اسلام، یہ دو حق حاصل ہیں۔ (3) ایک حق والا پڑوسی: وہ غیر مسلم پڑوسی ہے، جس کو صرف پڑوسی کا حق حاصل ہے۔

(شعب الایمان، اکرام الجار 9113)

قرآن و حدیث میں پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی بے حد تاکید فرمائی گئی ہے۔ ☆ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”پڑوسیوں میں سب سے بہتر پڑوسی اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے پڑوسیوں کے لیے سب سے بہتر ہو۔“ (ترمذی، ابواب البر والصلة: 1944) ☆ حضرت ابو شریح غدوی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے کان (آپ ﷺ کی آواز) سن رہے تھے اور میری آنکھیں (آپ ﷺ کو) دیکھ رہی تھیں جس دلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد

پانی تھا

ناصر محمود فرہاد



ایک ایسے نوجوان کی کہانی جس نے اپنی ذہانت کا ناطہ استعمال کیا۔

تھا۔ بھوک کا صلہ تو اس نے یہ نکالا کہ جنگلی پھل کھائے اور جیسے سے پانی پی کر گزارہ کر لیا مگر رات وہ اس خوف ناک جنگل میں گزارنے کو تیار نہ تھا۔ کبھی کبھی دور کہیں جب کسی جنگلی درندے کی خوف ناک آواز سنائی دیتی تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آ جاتا۔ وہ کسی انسانی آبادی کی تلاش میں تھا جہاں وہ کسی کے گھر رات گزار سکے۔ تھکاوٹ کے باعث اس کے لیے چلنا بھی دشوار تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ تھک کر کہیں گر جاتا اس کو ذور ایک روشنی غمگینی دکھائی دی۔ روشنی دیکھتے ہی اس کے قدموں کی رفتار تیز ہو گئی اور وہ قسمت آزمانے اسی طرف چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ روشنی کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ جنگل کے پتوں نیچ ایک بہت خوب صورت گھر بنا ہوا تھا اور اس کے اندر آگ جل رہی تھی۔ مکان کا دروازہ کھلا ہوا تھا، نوجوان بے دھڑک اندر چلا گیا۔ اندر ایک بوڑھا آدمی بیٹھا آگ تپ رہا تھا۔ نوجوان نے اسے سلام کیا تو بوڑھے نے بھی خوش اخلاقی سے سلام کا جواب دیا۔

”اے بزرگ! کیا میں اس گھر میں ایک رات آرام کر سکتا ہوں۔ چلتے چلتے بہت تھک گیا ہوں۔“ نوجوان نے پوچھا۔

”نہیں، ایسا ممکن نہیں ہے۔ جن لوگوں کا یہ گھر ہے، وہ تھوڑی دیر میں واپس آ جائیں گے۔ اگر انہوں نے تمہیں یہاں دیکھ لیا تو

ایک وفد کا ذکر ہے کہ ایک غریب بوڑھا آدمی کسی گاؤں کے باہر بیوی بچوں میں اپنے اکلوتے بیٹے کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ بوڑھا کھیتوں میں محنت مزدوری کر کے اپنا اور اپنے بیٹے کا پیٹ پالتا تھا۔ بوڑھے کے پاس کوئی جمع پونجی تھی نہ کھیت زمین، اس لیے جب اس کا بیٹا جوان ہوا تو باپ نے اسے مکمل اجازت دی کہ وہ جیسے چاہے اپنا روزگار کمائے اور جو مرضی چاہے پیشہ اختیار کرے۔ باپ کی یہ بات سن کر نوجوان بیٹے نے کچھ سوچا اور پھر اس نے اپنے باپ سے کہا۔ ”ابا جان! اگر آپ یہی چاہتے ہیں تو پھر مجھے اجازت دیں کہ میں اس گاؤں سے باہر جا کر کوئی کام کروں اور دولت کما کر واپس آؤں۔“

”بیٹا! تم جہاں چاہے جاؤ اور جو مرضی پیشہ اختیار کرو اور اپنے لیے دولت کماؤ، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“ بوڑھے باپ کی یہ بات سن کر نوجوان نے سڑکی تیاری شروع کر دی۔ تیاری کیا کرنا تھی، اس کے پاس تھا ہی کیا، بس بنایا دھویا اور باپ کو الوداع کہہ کر گھر سے نکل آیا اور جدھر کو منہ اٹھا، اوھر چل پڑا۔

چلتے چلتے وہ ایک گھنے جنگل میں پہنچ گیا جہاں آگے بڑھنے کے لیے راستہ تلاش کرنا مشکل کام تھا۔ شام ڈھل رہی تھی اور وہ تھک بھی بہت چکا تھا۔ بھوک اور نیند کے باعث اس کا بُرا حال

ڈاکو اس کی بے باکی دیکھ کر اور بات سن کر حیران رہ گئے۔
ڈاکوؤں کا سردار فوراً بولا۔

"تم جانتے ہو ہم لوگوں کو کونسے اور نکلتے ہیں۔ کیا تم یہ کام کر سکتے ہو؟ گھر کی دیکھ بھال کے لیے تو یہ بوڑھا پہلے سے ہی موجود ہے۔"
"میں پیسہ کمانے کے لیے کچھ بھی کریں گا۔" نو جوان مسکرا کر بولا۔
"کیا تم لوگوں کو نکلتا جانتے ہو؟" ایک ڈاکو نے پوچھا۔
"اگر تم مجھے اپنے ساتھ رکھو گے تو جلد سیکھ جاؤں گا۔" نو جوان نے جواب دیا۔

اس کی یہ بات سن کر سب ڈاکو کمرے کے ایک کونے میں جا کر کچھ مشورہ کرنے لگے، پھر ان کا سردار اس نو جوان کے قریب آیا اور دھیمے لہجے میں بولا۔

"تو پھر سنو! یہاں سے قریب ہی ایک گاؤں میں ایک کسان رہتا ہے جس کے پاس تین خوب صورت، تنو مند اور خوب پلے ہوئے بیل ہیں۔ ہماری اطلاع کے مطابق وہ کل صبح ان میں سے ایک بیل کو فروخت کرنے کے لیے قصبے کے بازار میں لے کر جائے گا۔ اگر تم راستے میں ہی وہ بیل اس کسان سے اس طرح ہتھیا لو کہ کسان کو علم بھی نہ ہو اور اسے کوئی نقصان بھی نہ پہنچے تو پھر ہم تمہیں اپنے ساتھ رکھ لیں گے۔"

نو جوان نے تھوڑی دیر ان کی باتوں پر غور کیا، پھر ایک ڈاکو کے پاؤں میں موجود خوب صورت جوتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔
"اگر تم اپنا یہ جوتا مجھے ادھار دے دو تو میں بیل تمہیں لا کر دے سکتا ہوں۔"

ڈاکوؤں نے حیرانی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر راضی ہو گئے۔ دوسری صبح وہ ڈاکو نو جوان کو ساتھ لے کر اس راستے پر پہنچے جہاں سے اس کسان نے اپنا بیل لے کر گزرنا تھا۔ نو جوان نے ڈاکوؤں کو جھانپوں میں چھپنے کی ہدایت کی اور خود اس نے ڈاکو کے خوب صورت جوتے کا ایک پاؤں سڑک پر کسان کے راستے میں ڈال دیا اور خود بھی جھانپوں میں چھپ کر کسان کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ کسان اپنے بیل کو بانٹتا ہوا وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ سڑک پر ایک خوب صورت جوتا پڑا ہوا ہے۔ جوتا دیکھتے ہی اس کی رال ٹپک پڑی

تمہیں اور مجھے دونوں کو جان سے مار ڈالیں گے۔" بوڑھے نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"یہ کیسے لوگ یہاں رہتے ہیں جو اتنے ظالم ہیں۔" نو جوان نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ ڈاکو اور ٹھگ ہیں۔" بوڑھے نے کاپٹے ہوئے جواب دیا۔
"ٹھیک ہے وہ جو کوئی بھی ہوں، مجھے اس سے کیا۔۔۔۔۔ مجھے تو نیند آ رہی ہے اور میں اس ٹھنڈے موسم میں رات باہر کھلے آسمان تلے نہیں گزار سکتا۔" نو جوان نے لا پرواہ انداز میں اس کو جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی وہ آگ کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کا یہ انداز دیکھ کر بوڑھا مجبوراً بولا۔

"نو جوان! تم اپنی ذمہ داری پر رات یہاں ٹھہر سکتے ہو۔"
نو جوان وہیں ایک طرف آگ کے قریب لیٹ گیا اور قریب پڑی ایک چادر اوڑھ لی۔ ابھی وہ گہری نیند میں نہیں سویا تھا کہ گھر کے مالک ڈاکو واپس آ گئے اور ایک اجنبی نو جوان کو وہاں سوتے دیکھ کر وہ آگ بگولہ ہو گئے۔
"میں نے تو اس کو بہت روکا مگر یہ ضدی نو جوان ماننا ہی نہیں، زبردستی یہاں لیٹ گیا۔" بوڑھے نے ڈاکوؤں کا غصہ دیکھ کر وضاحت کی۔

"کیا اس کے پاس کوئی سامان یا کوئی رقم بھی ہے؟" ڈاکوؤں کے سردار نے بوڑھے سے پوچھا۔

"اس کے پاس تو میں نے کچھ بھی نہیں دیکھا، وہ خالی ہاتھ یہاں آیا ہے۔ شکل ہی سے کنگلا لگتا ہے۔" بوڑھا بولا۔

اب سارے ڈاکو سر جھڑک کر آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اس نو جوان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

"یہ ہمارا گھر دیکھ چکا ہے واپس جا کر کسی کو بتا نہ دے، لہذا اس کو مار دیا جائے۔" ایک ڈاکو نے تجویز پیش کی۔

وہ ابھی یہ باتیں کر رہی تھے کہ نو جوان کی آنکھ کھل گئی، وہ چپ چاپ لینا ان کی باتیں سنتا رہا، پھر ایک دم اٹھ کر بولا۔

"ارے بھائی لوگو! مجھے مارنے کی کیا ضرورت ہے۔ نہ میرا کوئی گھر ہے نہ رشتے دار، نہ میرے پاس کوئی رقم ہے۔ تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ مجھے اپنے پاس ملازم رکھ لو، میں یہیں تمہارے پاس رہ جاتا ہوں۔"



اور وہ اپنے آپ سے کہنے لگا۔

”ارے یہ جوتا تو بہت خوب صورت اور نیا معلوم ہوتا ہے، اگر میں اسے اٹھا کر گھر لے جاؤں تو میری بیوی بہت خوش ہوگی۔“

کسان کی بیوی بہت غصے والی اور جھگڑالو تھی۔ آج صبح بھی اس نے کسان کے ساتھ خوب جھگڑا کیا تھا بلکہ اس کے کان پر ایک

گھونسا بھی جڑ دیا تھا جس کی وجہ سے کسان کو ابھی تک درد محسوس ہو رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ جوتا اپنی بیوی کو تحفہ دے کر اس کا غصہ نشتر کر دے مگر پھر اچانک اس کو خیال آیا کہ یہ تو جوتے کا ایک ہی پاؤں ہے، جب تک دوسرا پاؤں نہ ملے، یہ بے کار ہے۔ اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی مگر جب جوتے کا دوسرا پاؤں کہیں نظر نہ آیا تو اس نے جوتا وہیں چھوڑا اور تیل کو لے کر آگے بڑھ گیا۔

اس کے آگے بڑھتے ہی نو جوان نے اپنے منصوبے کے مطابق جوتے کا دہ پاؤں اٹھایا اور جھاڑیوں کے اندر اندر چھپتا چھپاتا اور بھاگتا اس کسان سے آگے نکل گیا۔ تھوڑا آگے جا کر اس نے اب جوتے کا دوسرا پاؤں سڑک پر ڈال دیا اور خود دوبارہ جھاڑیوں میں دب کر بیٹھ گیا۔ جب کسان تیل کو لے کر وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ سائے سڑک پر اسی طرح کے جوتے کا دوسرا پاؤں پڑا ہوا ہے جسے وہ بے کار سمجھ کر پیچھے چھوڑ آیا ہے۔ اسے اپنے اوپر سخت غصہ آیا کہ اس نے جوتے کا پہلا پاؤں وہاں سے کیوں نہیں اٹھایا، اگر اٹھا لیا ہوتا تو جوتے کا جوڑا پورا ہو جاتا۔ اب اسے واپس جا کر جوتے کا پہلا پاؤں اٹھانا پڑے گا مگر تیل تو بہت آہستہ آہستہ چلے گا۔ اسے ساتھ لے کر واپس جانا بہت مشکل کام

ہے کوئی اور اتنی دیر میں وہ جوتا وہاں سے اٹھا ہی نہ لے۔ یہ سوچ کر کسان نے تیل کو ایک درخت کے تنے کے ساتھ باندھا اور خود پیچھے کی طرف بھاگا کہ کسی اور کے اٹھانے سے پہلے ہی جوتے کا پہلا پاؤں خود اٹھا لے تاکہ جوڑا پورا ہو جائے اور گھر جا کر اپنی بیوی کو تحفہ دے سکے۔

کسان بھاگتا ہوا پہلی وادی جگہ پہنچا مگر اب وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ پہلا پاؤں تو نو جوان اٹھا کر وہاں سے لے گیا تھا۔ کسان کافی دیر تک ادھر ادھر جوتا تلاش کرتا رہا، اس دوران نو جوان نے درخت کے تنے سے بندھے اس کے تیل کو کھولا اور وہاں سے غائب ہو گیا۔ کسان مایوس ہو کر واپس اس جگہ آیا جہاں اس نے تیل باندھا تھا تو اپنا سر پیٹ کر رہ گیا کیوں کہ اب وہاں تیل تھا، نہ ہی جوتے کا دوسرا پاؤں۔ اسے سمجھ آگئی کہ وہ اپنے لالچ کے ہاتھوں لٹ گیا ہے۔ اب اسے خوف پیدا ہوا کہ اس کی جھگڑالو بیوی اس طرح تیل کے چوری ہو جانے پر اس کی جان کو آجائے گی، لہذا اس نے سوچا میں چپکے سے گھر واپس جاتا ہوں اور وہاں سے دوسرا تیل کھول لاتا ہوں اور اسے بازار میں فروخت کر کے اس کی رقم اپنی بیوی کو دے دوں گا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ گھر واپس گیا، دوسرا تیل چپکے سے کھولا اور دوبارہ بازار کی طرف چل پڑا۔ (باقی آئندہ)

جادوگر بھائی



جادوگر بھائی

دیر آرام کر لوں۔ ندی کے صاف
شفاف پانی سے پیاس بھی بجھ جائے
گی۔ اس نے نرم نرم گھاس پہ کپڑا
بچھایا، پوٹلی سے پرائے مکھن نکالا اور
ابھی کھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی
تھا کہ اچانک جھاڑیوں کے پیچھے
سے دو جوان نکل کر سامنے آ گئے۔
انہوں نے اپنے چہرے کپڑے سے
چھپائے ہوئے تھے۔

”جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے،
ہمارے حوالے کر دو۔“ ان میں سے
ایک نے کڑک کر کہا۔
بطروس جادوگر گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور
بولاً۔ ”بھائی میں مسافر ہوں، مجھے
مست لہو۔“

”زیادہ بات کی تو مال کے ساتھ جان
بھی جائے گی۔“ دوسرے چور نے کہا
اور بطروس کی گردن پر زور دار مٹکا
رہید کیا۔ جادوگر بطروس ایک کمزور
سے جسم کا چھوٹا سا بونا تھا، اس کاری
ضرب کی تاب نہ لا کر منہ کے بل

زمین پر جا گرا۔ خون کی تپتی سی دھار اس کے منہ سے بہہ نکلی۔ اس
نے خاموشی سے سب کچھ چوروں کے حوالے کر دیا۔ دونوں چور
سامان لوٹ کر جنگل میں غائب ہو گئے۔

جادوگر بطروس خون تھوکتا بھائی کے گھر پہنچا۔ جالینوس جادوگر
اپنے بھائی کا پھٹا ہوا ڈنٹ دیکھ کر ٹھٹھک کر رہ گیا۔

”ارے، یہ کیا ہوا۔۔۔ کیا کسی سے لڑ کر آئے ہو؟“ اس نے پوچھا۔
”میری یہ حالت چوروں نے بنائی ہے۔ وہ سب کچھ لوٹ کر
لے گئے ہیں۔“ بطروس نے کہا۔

”اور تم ان کا منہ دیکھتے رہے۔ جادو منتر سب بھول گئے کیا؟“
بطروس بولا۔ ”جادو منتر تو سب یاد ہیں مگر کتنے افسوس کی بات
ہے کہ اتنے بڑے جادوگر کا علاقہ ہوا اور چور ڈاکو دندناتے پھریں۔“

جادوگر بطروس کو اپنے بھائی جالینوس جادوگر سے ملے بہت
دن ہو گئے تھے۔ آخر جب اس کا دل اپنے بھائی سے ملنے کو بہت
ہی بے قرار ہو گیا تو اس نے کھانے کی کچھ چیزیں ایک پوٹلی میں
باندھیں۔ بھائی کے لیے مکئی سے بنے کیک، مکھن، شہد کی ایک بوتل
اور کچھ سونے چاندی کے سکے بھی ایک تھیلی میں باندھ لیے۔ اس
کے بھائی کا گھر ایک پہاڑ کے دامن میں تھا۔ راستے میں کئی ندی
نالے بھی آتے تھے، اس لیے وہ وقت پر بھائی کے گھر پہنچنے کے
لیے صبح ہی گھر سے نکل پڑا۔

جنگل کی گچھنڈیوں پہ چلتا، ندی نالے عبور کرتا، وہ ایک
ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں گھنے درختوں کے درمیان ایک ندی بہہ رہی
تھی۔ بطروس نے سوچا کیوں نہ ان درختوں کی چھاؤں میں کچھ

میں بگڑے ہوؤں کو راہِ راست پر لانے والا خدائی خدمت گار ہوں۔" جالینوس نے کہا اور ایک منتر پڑھا جس سے دونوں چور رستوں میں جکڑے گئے۔

اتنے میں جادوگر بطر دس بھی وہاں پہنچ گیا۔ چوروں کا بُرا حال دیکھ کر اسے ان پر رحم آ گیا۔ اس نے کہا۔ "بھائی انہیں کافی سزا مل گئی ہے، اب انہیں کھول دو۔"

"اگر یہ ایسی غلطی تسلیم کر کے اپنے کیے کی معافی مانگ لیں اور آئندہ ایسے کاموں سے توبہ کر لیں تو انہیں معاف کیا جاسکتا ہے۔" جالینوس نے کہا۔

"خدا کے لیے ہمیں معاف کر دو، ہم نے بے روزگاری سے تنگ آ کر چوری چکاری کا پیشہ اختیار کیا ہے لیکن اپنے کیے پر شرمندہ ہیں۔" چوروں نے گڑگڑا کر کہا۔

جادوگر بطر دس نے ان کی رسیاں کھول دیں، پھر سکوں کی تھیلی انہیں دے کر کہا۔ "جادو اور محنت کر کے اپنی روزی کماؤ۔" انہوں نے سکوں کی تھیلی لے لی اور خوش خوشی وہاں سے چلے گئے۔

جالینوس جادوگر نے اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر منتر پڑھا اور وہ دونوں بھی اپنے گھر پہنچ گئے۔ ☆☆☆

ظلم کا انجام

ایک بے رحم شخص جسے خدا نے دوست اور اختیار دے رکھا تھا، غریبوں سے وہ لکڑیاں چھین کر جو وہ جلانے کے لیے لاتے تھے، امیروں کے ہاتھ فروخت کر دیتا تھا۔ غریب اس کی زیادتی پر بہت داویلا کرتے تھے لیکن وہ پرواہ نہ کرتا تھا۔

اسے یہ ظلم کرتے دیکھا تو ایک دن اس کے ایک دوست نے اس سے کہا کہ تجھے چاہیے کہ غریبوں اور کمزوروں کے ساتھ یہ ظلم نہ کرے لیکن اس نے اپنے اس دوست کی نصیحت پر کان نہ دھرا، بدستور اپنے دھندے میں لگا رہا۔

کرنا خدا کا کیا ہوا کہ ایک دن اس کے باورچی خانے میں آگ بھڑک اٹھی اور چشمِ زہن میں اس کا سارا گھر جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ وہ اپنے جلے ہوئے گھر کے سامنے بیٹھا آہ و بکا کر رہا تھا کہ اتفاق سے اس کا وہی شناسا ادھر سے گزرا جس نے اسے غریبوں کو نہ ستانے کی نصیحت کی تھی۔ اس نے اپنے اس دوست کو دیکھا تو کہنے لگا۔ "معلوم نہیں میرا گھر کس طرح جل گیا؟" دوست نے فوراً جواب دیا۔ "یہ غریبوں کی آہوں کے دھوئیں سے جلا ہے۔ کیا میں نے تجھے منع نہیں کیا تھا کہ غریبوں کو ستا کر ان کی بددعاؤں نہ لے۔" ☆☆☆

جالینوس کا سر جھک گیا۔ وہ بولا۔ "بھائی کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو، اگر ہم اپنے علاقے سے ہی بُرائی ختم نہ کر سکیں تو ہمارے جادو کا کیا فائدہ؟" پھر اس کا چہرہ غصے سے تھماتے لگا۔ جالینوس بولا۔ "میں ان مجرموں کو ایسی سزاؤں کا کہ زندگی بھر یاد رکھیں گے، آؤ میرے ساتھ۔" اس نے اپنے بھائی کا ہاتھ تھاما، کوئی منتر پڑھا، دوسرے ہی لمحے وہ دونوں جنگل میں کھڑے تھے۔ سامنے ہی ٹھنی جھاڑیوں کی اوت میں دونوں بیٹھے چوری کا لوٹا ہوا مال تقسیم کر رہے تھے۔ جادوگر جالینوس نے پھر منتر پڑھا اور نظروں سے غائب ہو گیا۔ پھر وہ چلتا ہوا چوروں کے پاس پہنچ گیا۔ چور مال کی تقسیم میں مگن تھے۔ جالینوس نے سکوں کی تھیلی اٹھا کر ایک چور کی جیب میں ڈال دی۔ تھوڑی دیر بعد دوسرے چور کو تھیلی کا خیال آ گیا۔ "اڑے، تھیلی کہاں گئی؟" اس نے چونک کر کہا۔ پھر وہ دونوں تھیلی ڈھونڈنے لگے۔ اسی وقت ایک چور کی جیب سے چھینٹی کی آواز آئی۔ دوسرے چور نے شک بھری نظروں سے اسے دیکھا، پھر اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر تھیلی نکال لی۔

"اڑے، یہ یہاں کیسے پہنچ گئی؟" چور نے گھبرا کر کہا۔ "خود ہی چل کر آ گئی ہوگی، اس کے پاؤں جو ہیں۔" دوسرے چور نے طنز کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو یہ تمہاری حرکت ملتی ہے۔ مجھ پر الزام لگا کر تم اسکیلے سارا مال ہضم کرنا چاہتے ہو۔" تھیلی بھی تم ہی نے میری جیب میں ڈالی ہے۔" پہلے چور نے غصے سے کہا۔ "چوری بھی اور سینہ زوری بھی۔" دوسرے چور نے کہا اور پہلے کا گریبان پکڑ لیا۔

جالینوس جادوگر کو اسی لمحے کا انتظار تھا۔ اس نے اُچھل کر ایک چور کے منہ پر مٹکا مارا۔ چور سمجھا دوسرے چور نے مارا ہے۔ اس نے گریبان جھوڑ کر اس پر مٹکوں کی بارش کر دی، پھر تو گھسان کا رن پڑا۔ دونوں چور ایک دوسرے سے سخت گتھا ہو گئے۔ جالینوس بھی اس جنگ میں شریک ہو گیا۔ وہ اُچھل اُچھل کر مٹکے برس رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں دونوں چور نہ حال ہو کر گر پڑے۔

جالینوس نے منتر پڑھا اور اپنی اصلی حالت میں آ گیا۔ اسے اچانک نمودار ہوتے دیکھ کر دونوں چور ڈر گئے۔ "کون ہو تم؟" انہوں نے گھبرا کر کہا۔

ماشاء اللہ اب شامی

پیارے اللہ کے پیارے نام



الْخَلِیْمُ خَلَّ جَلَّالَهُ

(نہایت بردبار)

الْخَلِیْمُ خَلَّ جَلَّالَهُ وہ ہے جو نرمی اور ہلا سے اپنے بندوں کو گناہوں پر عذاب دینے میں تاخیر کرنے والا ہے۔ قرآن کریم میں یہ مبارک نام کیا رہ مرتبہ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت بردبار ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو ہی نہیں مانتے، اس کی نافرمانیاں کرتے ہیں، لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ انہیں پانی، روٹی، صحت اور غایت کی نعمت دیتے ہیں اور دوسروں کی نظروں سے ان کا برائیاں چھپاتے ہیں اور انہیں دنیا میں معاف کرتے رہتے ہیں۔

ایک مرتبہ کا ذکر

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ عرب کے قبیلہ عبدالقیس کا ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے مدینہ طیبہ آیا۔ وفد میں بہت سارے لوگ تھے۔ یہ لوگ جیسے ہی مدینہ شریف پہنچے تو اپنے اونٹوں، گھوڑوں اور خچروں سے کوہ کوہ کر آپ کے پاس پہنچ گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ قبیلہ عبدالقیس کے سردار کا نام "منذر" تھا۔ انہوں نے ایسا نہیں کیا جیسا ان کی قوم نے کیا، بلکہ انہوں نے جلدی کرنے کے بجائے سارا سامان ایک جگہ محفوظ کیا۔ انہوں نے یہ قبیلہ ایسا سفر کر کے آیا تھا، اس لیے یہ پہلے نہائے، لباس تبدیل کیا اور بہت وقار سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے سردار کے اس رویے کو بہت پسند فرمایا یہ اسی موقع پر آپ نے اس سردار سے ارشاد فرمایا:

"تم میں یہ دو اچھی عادتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پیاری ہیں۔ ۱۔ حلم (بردباری) غصے میں اپنے آپ پر قابو رکھنا۔ ۲۔ جلد بازی اور بے مبرنی نہ کرنا، بلکہ ہر کام اطمینان سے انجام دینا۔"

جلد بازی

ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے:

"ہر کام کو اطمینان سے اپرا کرنا اچھی عادت ہے اور یہ عادت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے، اس کے برعکس جلد بازی ایک بُری عادت ہے اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔" ایک بات یہ بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نرمی اور

"أَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ....."

اے اللہ! میں آپ سے ان چیزوں کا سوال کرتا ہوں جو آپ کی رحمت ملنے کا سبب ہوں۔

"وَعُوْزُ آتِمٍ مَّغْفِرَتِكَ....."

اور آپ سے یہ کی مغفرت کا سوال کرتا ہوں۔

"وَالْغِنْمَةُ مِنْ كُلِّ بَرٍّ....."

اور اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ مجھے ہر نیکی سے حصہ عطا فرمائیے۔

"وَالسَّلَامَةُ مِنْ كُلِّ بَرٍّ....."

اور اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ مجھے ہر گناہ سے محفوظ رکھیے۔

"لَا تَدْعُ لِي ذَنْبًا إِلَّا غُفِرْتَهُ....."

میرے ہر گناہ کو معاف فرما دیجیے۔

"وَلَا خَسْمًا إِلَّا فُرِجَتْهُ....."

اور ہر قسم کے غم سے خلاصی عطا فرما دیجیے۔

"وَلَا حَاجَةَ هِيَ لَكَ رِضًا إِلَّا قَضَيْتَهَا، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ!"

خداوند ہمدردی ہر وہ ضرورت، جس میں آپ راضی ہوں، ایسی نہ

چھوڑے کہ اس کو آپ نے پورا نہ فرما دیا ہو۔

یہ دعا پڑھ کر دھیان اور توجہ سے اَلْحَلِيمُ جَلِّ جَلَالُہ سے اپنی

ضرورت کا سوال کریں تو یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ضرورت قبول

فرمائیں گے۔

یاد رکھنے کی باتیں

1- پہلی بات تو یہ ہے کہ ابن دعائے حاجت کو یاد کرنے کی کوشش

کر لیں۔ کوشش سے ہر مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے۔

ابن دعا کو یاد کرنے کا طریقہ دعا کے شروع میں عرض کیا جا

چکا ہے کہ روزانہ ایک جملہ یاد کریں تو آسانی سے دعا یاد ہو

جائے گی اور عمر بھر کام آئے گی۔

2- کسی بھی کام میں جلد بازی نہ کریں۔ کام فوری کرنا اور ہوتا

ہے اور جلدی جلدی کرنا، اور ہوتا ہے۔ فوری کرنا یہ ہے کہ

کام کو ٹالا نہ جائے، بلکہ پہلے یہ دیکھیں کہ یہ کام ابھی اور اسی

دقت کرنے کا ہے تو اسی وقت کریں اور جو کام کر رہے ہوں

اسے اطمینان اور ذمہ داری سے پورا کریں۔ ☆☆☆

بردباری کو پسند فرماتا ہے۔ اس لیے ہم بھی ان عادتوں کو اپنائیں۔

اگر چھوٹا بھائی یا بہن ہماری بات نہ مانیں تو غصے میں نہ آئیں، بلکہ

نری سے کام لیں اور معاف کرنے کی طبیعت اپنائیں یا کوئی ایسی

بات پیش آئے جو طبیعت کو ناگوار ہے تو اسے دیکھ کر غصے میں نہ

آئیں، بلکہ یہ سوچیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی کتنی باتوں پر عمل کرتے

ہیں، پھر بھی اللہ تعالیٰ ہمیں نعمتیں عطا فرماتا رہتا ہے تو پھر ہمیں بھی

ذرا ذرا سی بات پر غصے میں نہیں آنا چاہیے۔

دعائے حاجت

اب ہم ایک ایسی دعا کا ذکر کرتے ہیں جس میں اَلْحَلِيمُ جَلِّ

جَلَالُہ کا نام ہے۔ حضور ﷺ نے یہ دعا ہمیں تلقین فرمائی:

"جب کوئی ضرورت ہو تو دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا مانگیں تو

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے وہ ضرورت پوری فرمادیں گے۔"

اس دعا کو یاد کرنا ہماری بہت بڑی ضرورت ہے اور کوشش

کرنے سے یاد کرنا آسان ہو جائے گا۔ ابن دعا میں دن چلتے ہیں،

روزانہ ایک جملہ یاد کریں تو دس دن میں اِنَّ شَاءَ اللہ تعالیٰ مکمل دعا

یاد ہو جائے گی۔

اگر نماز کا موقع نہیں اور کوئی ضرورت فوری پیش آگئی تو یہ دعا

پڑھ کر دل سے مانگیں، چاہے جو کچھ کا قسمہ ہی ٹوٹ جائے، وہ بھی

اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنا ہے۔

عزیز ساتھیو! اس دعا نے قبولیت کا راستہ دیکھا ہوا ہے، کیوں

کہ جو دعا آپ نے خود فرمائی وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ضرور قبول

ہوگی۔

وہ دعا یہ ہے:

"لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اَلْحَلِيمُ الْكَرِيمُ....."

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جو حلیم کریم ہے۔

"سُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ....."

اللہ تعالیٰ پاک ہے جو عرش عظیم کا مالک ہے۔

"اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ....."

تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے

والا ہے۔

طوبی کا چھٹا



محمد فاروق دانش

”ارے... دیکھو، مجھے کات لے گا... بشل... بشل... ای
بچاؤ... اسے بھگاؤ...“ طوبی کے شور کی آواز دوسرے کمرے
میں آسانی سے جاسکتی تھی۔

”ہاں... میں آتی ہوں میری جان، کیا ہو گیا، کون آگیا، کون
کات لے گا تمہیں...“

طوبی کی امی نے کمرے سے بھڑام دھڑام کی آوازیں سن کر
اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا اور جلدی سے اپنی اسفنج کی
چپل پہن کر طوبی کے کمرے کا رخ کیا۔ جتنی دیر میں وہ اس کے
کمرے تک پہنچ پاتیں، ایک زور دار آواز کے ساتھ طوبی کمرے
سے باہر صحن میں آکر گری۔

”ہائے میری بچی... کیا ہو گیا... کون کم بخت ہے... میں
آگنی ہوں۔“

انہوں نے اپنی لاڈلی کودیکھا جو شدت خوف سے اپنے بیڈ
سے اچھل کر فرار ہونے کی کوشش کے دوران فرش پر آگری تھی۔
اسے سہارا دے کر اٹھایا اور اس کے سر پر ہاتھ بھیرنے لگیں۔

والدہ کو قریب پا کر اس کا حوصلہ بڑھا اور اپنی آنکھوں کو کھولتے
ہوئے گکھمیاے ہوئے حیرت اور خوف کے ملے جلے تاثرات کے
ساتھ بیڈ کی دوسری جانب کمرے کی دیوار کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے کہا۔
”وہ... امی... وہ... چوہا... میری ٹانگ پر کات لیتا، اس کے
دانت بھی کتنے تیز ہوں گے؟“

”نہیں...! تمہیں کوئی نہیں کات سکتا۔ میں اس چوہے کو ابھی
دیکھتی ہوں، کہاں گیا یہ مزدور! میری بچی کی ایسی حالت بنا کر۔“
انہوں نے دوبارہ اسے اطمینان دلانے کی کوشش کرتے
ہوئے بیڈ کے اطراف کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

”ای یہیں کہیں چھپا بیٹھا ہوگا وہ!“
اس کا خوف اب بھی برقرار تھا۔ اس نے اپنی ماں کی گود سے
سراٹھا کر بیٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

طوبی کی امی نے اپنی لاڈلی گڑیا کو اطمینان دلانے کے لیے
کمرے کی دیوار سے لگے پردے ہٹا کر اور گرد و چھپی طرح دیکھ
لینے کے بعد کہا۔

”بیٹا! یہاں تو مجھے کوئی چوہا نظر نہیں آیا۔“
”نہیں امی! وہ... یہیں کہیں چھپا ہوا ہوگا۔ اس نے میرے
بیڈ کے ساتھ والی دیوار میں اپنا بل بنا رکھا ہے۔ وہ دیکھیں، وہ رہا
اس کا بل... وہ مجھے کات لے گا۔“

اس نے اپنی والدہ کو بیڈ کے قریبی دیوار میں ایک چھوٹا سا

سورخ دکھاتے ہوئے کہا۔

”ارے ہاں! ان چوبوں نے تو ہماری زندگی اجیرن کر دی ہے۔ انہیں بھگانے کے لیے ہمیں بلی پالنی پڑے گی۔ تم اطمینان رکھو اور چلو میرے کمرے میں آ جاؤ۔ وہاں یہ چوہا نہیں آسکے گا۔“ طوبی کی والدہ نے اطمینان دلانے کی کوشش کی۔

طوبی نے اپنی والدہ کے کمرے میں جانے میں ہی عافیت جانی اور فوراً اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔ انہوں نے طوبی کا کمرہ باہر سے بند کر دیا۔ اب طوبی کو کسی حد تک اطمینان ہو گیا۔

طوبی اپنے والدین کی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی تھی۔ وہ بارہ برس کی تھی۔ اسے کاردوج، چھپکلی، پسو، ٹڈے اور چوہے سے بے حد خوف آتا تھا۔ وہ اس خوف کے سبب اکثر بے ہوش بھی ہو جایا کرتی تھی۔ طوبی تھی بھی فریبہ جسم کی مالک۔ اس کی خوش خوراکی اور زیادہ وزنی جسم ہونے کے سبب اس کی والدہ کو اس کی فکر لگی رہتی تھی۔ وہ کسی بھی ممکنہ نقصان سے اسے بچانے کی پوری کوشش کرتی تھیں۔

طوبی کی دوست اور اس کی کلاس فیلو بھی اس کے اس طرح اچانک ڈر جانے اور شور مچانے پر اس کا مذاق اڑاتیں اور اسے ڈرپوک کہتیں لیکن طوبی کا خوف تھا کہ وہ وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ گھر کے باہر کسی تفریحی مقام پر دوستوں کے ساتھ سیر کر رہی ہوتی اور اس کی نظر کسی بھنورے یا ٹڈے پر پڑ جاتی تو وہ سب کچھ بھول جاتی اور اپنی دوستوں کو اس جگہ سے فوری طور پر کہیں دوسری جگہ چلنے کی تجویز دیتی۔ ایسے موقعوں پر وہ اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر زور سے چلاتی ہوئی ادھر ادھر بھاگنا شروع کر دیتی، جس کے سبب اس کی دیگر دوست اس پر ہنستیں۔

طوبی کے والد مستقیم احمد نے اپنی لاڈلی بیٹی کو اس خوف سے نجات دلانے کی خاطر اپنے گھر کے کونے کونے میں کیڑے مار ادویات چھڑک رکھی تھیں اور ان کی سر توڑ کوششوں کے سبب چھپکلیوں، پسوؤں، بھنوروں کا ان کے گھر میں مکمل صفایا ہو گیا تھا۔ ایسے حشرات الارض ان کے گھر کا زخ خوب سوچ سمجھ کر کیا کرتے تھے۔ ایسا اطمینان اور سکون میسر آنے کے سبب طوبی کی خوش خوراکی بھی پہلے سے بڑھ گئی تھی۔

وہ اپنی والدہ کے ہاتھوں تیار کیا جانے والا کھانا کھانے کے بجائے بازار کی چیس، بسکٹس، آئس کریم وغیرہ کھاتی۔ طوبی کی

والدہ اپنی بیٹی کے اس طرح فریبہ ہو جانے پر فکر مند تو تھیں لیکن وہ اپنی لاڈلی کو نظر بد لگانا نہیں چاہتی تھیں۔ یوں وہ اس کی خوش خوراکی پر شاداں ہو کر اس کی بلائیں لیتیں تھیں لیکن آج کل ایک بھوری رنگت والے چھوٹے سے چوہے نے طوبی کی زندگی میں بل چل چا دی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتی تھی جس کے سبب اس کی والدہ کے بھی اوسان خطا ہو جایا کرتے تھے لیکن وہ چوہا تھا کہ ایک دو روز بعد اچانک اس کے سامنے نمودار ہو جاتا۔ اس کی دوست اس کے دل و دماغ سے خوف نکالنے کی خاطر اسے چوہے بلی کی کہانیاں سناتیں اور اسے یہ باور کراتیں کہ چوہا ایک بے ضرر اور ڈرپوک مخلوق ہے، وہ اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا لیکن وہ ان باتوں کو کہاں سمجھتی تھی۔

اس کے والد کی آمد سے قبل اس کی عزیز دوست حنا نے اس کے گھر کی کال بیل بجائی تو اس نے والدہ کے کمرے کے دروازے سے باہر قدم نکالا۔ باہر آ کر پہلے تو طوبی کو خوف کا احساس ہوا لیکن پھر اس نے بلند جھتی کا مظاہرہ کر کے آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ جوں جوں طوبی زینے کے قریب ہوتی جا رہی تھی، اس کی دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔

اسی اثناء میں اس نے پہلے جناح کر زینے کے ابتدائی حصے کا جائزہ لیا اور اس بات کا اطمینان کر لینے کے بعد کہ زینے کے ابتدائی حصے میں کوئی موجود نہیں ہے، اس نے کسی توقف سے کام لیے بغیر جلدی سے قدم اٹھانا شروع کئے۔ پھر اچانک تین میڑھیاں اترتے ہی اس کے قدم کسی نہ اسرار خوف کے احساس سے ٹھمد ہو گئے۔ وہ کچھ دیر ساکت کھڑی کسی اچانک اور غیر معمولی نقل و حرکت کا انتظار کرنے لگی۔ چند لمحے گزرنے پر اس نے دوبارہ نیچے جانے کے لیے قدم بڑھایا۔ ساتویں زینے پر پہنچ کر اس کے قدم ایک بار پھر ساکت ہو گئے اور آنکھیں حیرت اور خوف کے ساتھ پھیل گئیں کیوں کہ اس نے بھورے چوہے کو نہیں اپنے قدموں پر پایا۔ شدت خوف سے اس کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ چوہے سے بچنے کے لیے طوبی نے واپسی کی راہ لینے کی ٹھانی اور نیچے کی طرف بڑھنے والے قدم ایک بار پھر واپسی کے لیے اوپر جانے کے لیے مجبور ہونے لگے۔ وہ اس چوہے کو اتنا قریب موجود دیکھنے کا تصور نہیں کر سکتی تھی، لیکن آج وہ بھورا چوہا اسے کسی صورت

ہوئے کہا۔

”اس کا مطلب ہے یہ شرارتی چوہا تمہیں تنگ کرنے کے ساتھ ساتھ گھر میں ہر طرف گندگی پھیلا رہا ہوگا۔“

”کوئی گندگی نہیں پھیلائی اس نے اب تک... بس میری بچی کے پیچھے پڑ گیا ہے، اسے ہی ہر وقت تنگ کرتا رہتا ہے۔“
اس کی والدہ نے اپنی لاڈلی بیٹی کے بالوں میں ہاتھ سے کنگھی کرتے ہوئے کہا۔

”اور... آپ کے بچن میں رکھی کھانے پینے کی چیزیں بگاڑتا ہو گا۔“ حنا نے دوبارہ چوہے کے بارے میں معلوم کیا۔

”نہیں بیٹا! یہی تو مسئلہ ہے کہ وہ ہمارے کھانے پینے کی چیزوں میں بھی منہ نہیں ڈالتا اور کوئی نقصان بھی نہیں کر رہا۔“

طوبی کی والدہ نے چوہے پر دانت بھینچتے ہوئے کہا۔

”حیرت ہے وہ کوئی نقصان بھی نہیں کرتا اور نہ ہی کہیں گندگی پھیلاتا ہے تو پھر وہ طوبی کو تنگ کیوں کر رہا ہے۔ عجیب چوہا ہے۔۔۔۔۔ یہ بھورا چوہا۔“ حنا نے اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے

کہا۔ ”مجھے تو لگتا ہے کہ وہ طوبی سے دوستی کرنا چاہتا ہے۔“ حنا نے

معاف کرنے کو تیار دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنی پوزیشن نہایت تیزی سے تبدیل کی اور اب وہ طوبی کے عقب میں اس کی داپسی کا منتظر تھا۔

طوبی نے یہ منظر دیکھا تو اس سے کچھ بن نہ پایا، اس نے پلٹ کر نیچے کی جانب چھلانگ لگا دی۔ چوہے نے بھی اس پر جست لگا دی۔ اس کے منہ سے ایک دل خراش چیخ نکلی جو گھر کے کونے کونے میں پھیل گئی۔

”ہائے میری بچی... ارے اب کیا ہوا؟“

اس کی والدہ چلاتی ہوئیں بدحواس، کمرے کے مرکزی دروازے سے زینے کی جانب دوڑیں۔

”بچاؤ... بچاؤ... ہائے میں مر گئی۔“ وہ بدحواسی میں زینے سے نیچے جا گری تھی۔ وہ خوف اور کرب کے عالم میں چلا رہی تھی۔ اس کی والدہ نے اپنی بیٹی کو اس حال میں دیکھا تو ان کے منہ سے بھی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

”ہائے، میری بچی... یہ سردرد چوہا۔“

طوبی کی والدہ نے اپنی جیتی بیٹی کو سینے سے لگایا اور حواس

بحال کرنے لگیں۔ انہوں نے چوہے پر لعن طعن شروع کر دی۔

”ارے تجھے ستانے کے لیے میری بچی ہی ملی ہے، دم ہے تو سامنے آ... دیکھ میں تجھے کیسا مزا

چکھاتی ہوں... ڈر پوک چوہے۔“

طوبی کو سہارا دے کر کمرے میں صوفے تک پہنچایا۔ انہوں نے

دیکھا کہ چوہے کی مہربانی سے اس کے پیر میں چوٹ لگ چکی تھی، وہ

لنگڑا کر چل رہی تھی۔ طوبی کی سہیلی

حنا کو اس کی والدہ نے بتایا کہ چوہے کی وجہ سے وہ میزبوں سے گر گئی

ہے۔ اس کے پیر میں موج اور چوٹ آ گئی ہے۔ اس کی دوست نے اس سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتے



اپنی ماہر اندرائے کا اظہار کیا۔

"ارے، کیسی بات کرتی ہو؟ اس چوہے سے دوستی.... میری بچی تو نہایت نفاست پسند ہے، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

اس کی امی نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔

"اچھا دیکھیں.... اگر طوبی اس سے دوستی نہیں کرنا چاہتی تو پھر ایک طریقہ ہے اس سے نجات حاصل کرنے کا..."

حنانے تجویز دینے والے انداز میں کہا۔

"ہاں بیٹی! جلدی بتاؤ کون سا طریقہ ہے؟" انہوں نے دل چسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"مناسب طریقہ یہ ہے کہ ذائقہ دار کیک لگا کر چوہے کا بھجرا طوبی کے گھر سے میں رکھ دیا جائے، جیسے ہی یہ چوباکیک کھانے آئے گا اس بھجرا جتنے میں قید ہو جائے گا۔" حنانے طوبی کی والدہ کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے تجویز دے ڈالی۔

"اے ہے! جیسا! ایسا تو ہم کئی مرتبہ کر چکے ہیں، لیکن وہ تو ایسا سنگار اور فریبی ہے کہ اس بھجرا میں بھی نہیں جاتا اور کیک بھی لے اڑتا ہے۔" طوبی کی والدہ نے اس کی چالاکی بیان کی تو حنا سوچ میں پڑ گئی۔ آخر اس کی ہر دل عزیز سہیلی کو چوہے سے کس طرح نجات دلائی جائے لیکن کافی دیر تک سوچتے رہنے کے بعد بھی اسے کچھ سمجھ نہ آیا۔

"آئی... آپ نے اپنی شرارتی چوہے سے نجات کے لیے کیا پروگرام بنایا ہے؟" "بھئی، پروگرام کیا؟ میں تو طوبی کے والد کا انتظار کر رہی ہوں۔" حنانے ان کی بات سے اتفاق کیا اور طوبی کی والدہ کے ہاتھوں سے تیل لے کر طوبی کے چیر پر سوچ والی جگہ آہستہ آہستہ لگانے لگی۔ اس کا دھیان بدلنے کے لیے مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال کرنے لگی۔ حنا کی موجودگی سے طوبی کو کچھ اُحاس ملے۔ وہ کچھ دیر گیس لگانے کے بعد طوبی سے اجازت لے کر اپنے گھر چلی گئی۔

"چوہا.... دوستی.... نہیں.... نہیں.... ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔"

طوبی نے سر جھٹکتے ہوئے سرگوشی والے انداز میں خود سے کہا۔ وہ خواب میں بھی کسی چوہے سے دوستی کا سوچ نہیں سکتی تھی۔ پھر ایسا کس طرح ممکن ہو سکتا تھا کہ ایک مکار اور شرارتی چوہا اس کا دوست کسی طرح بن سکتا تھا.... وہ دیر تک بستر میں دبکی سوچتی رہی۔ حنا کی کبھی ہوئی بات اس کے کانوں میں سرگوشی بن کر گردش کرنے لگی۔

طوبی کے والد مستقیم احمد کے گھر میں گھستے ہی طوبی کی والدہ

ان ہی پر برس پڑیں۔ انہوں نے طوبی کی والدہ کی جانب سے ملنے والے چیلنج کو دل و جان سے قبول کر لیا اور اپنی لاڈلی بیٹی کی خاطر سب کچھ کر گزر نے کا اعلان کیا۔ گویا بھورے چوہے کے خلاف ایک بار بھر طبل جنگ بجنے لگا۔ طوبی نے محسوس کیا کہ وہ مسلسل خوف زدہ رہنے کے باوجود اب اس مکار چوہے کے بارے میں مختلف انداز سے سوچنے پر مجبور ہو رہی ہے، لیکن کسی چوہے سے دوستی کا وہ اب بھی تصور نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے اس نے اس مکار چوہے سے بچنے کے قابل عمل طریقوں پر بھی غور کرنا شروع کر دیا۔

پیر کی سوچ صحیح ہوتے ہی اس نے طوبی کو پھر پریشان کرنا شروع کر دیا۔ طوبی گھر میں جس جگہ جاتی، چوہا بھی وہیں آ جاتا۔ چوہے اور طوبی کا یہ مقابلہ اس کی سہیلیوں میں بھی مشہور ہونے لگا۔ گرمی کی شدت میں اضافہ ہوتے ہی اسٹول انتظامیہ کی جانب سے تعطیلات کا اعلان کر دیا گیا۔ گرمیوں کی چھٹیاں طوبی کی والدہ نے اس کی سانی کے گھر جا کر گزارنے کا پروگرام بنایا، جس کے سبب طوبی کو اس مکار چوہے کے شر سے نجات مل جانے کا بھی یقین ہو گیا تھا۔

اسی دوران رمضان کا بابرکت مہینہ آ گیا۔ طوبی کے والد پورے روزے رکھتے اور عبادت میں وقت گزارتے تھے۔ طوبی کی والدہ شوگر کی مرینہ تھیں اور انہیں تو آتر سے دوائیں کھانا ہوتی تھیں، اس لیے وہ روزے پابندی سے نہیں رکھ پاتی تھیں۔ تاہم طوبی بھی رمضان کے روزے رکھتی اور نماز بھی پابندی سے پڑھتی تھی۔ سحری کے وقت وہ باورچی خانے میں چائے گرم کر رہی تھی کہ دفعتاً سامنے رکھے برتنوں کی اڑت سے بھورا چوہا نمودار ہوا۔ اس نے چیخنے کے لیے منہ کھولا ہی چاہا تھا کہ چوہا دوبارہ برتنوں کی اڑت میں غائب ہو گیا۔ اس نے برتن ادھر ادھر کر کے اطمینان کیا اور کام میں مصروف ہو گئی۔ اسی اثناء میں چوہا طوبی کی بائیں جانب سے نمودار ہو کر اس کے سامنے آ کر رک گیا۔ چوہے کو اس طرح نقل و حرکت کرتا دیکھ کر طوبی کی سانس بھی رک گئیں۔ وہ ساکت کھڑی اس کے ٹل جانے کا انتظار کرنے لگی۔ وہ کچھ دیر اس کے سامنے رہنے کے بعد اسی سمت غائب ہو گیا جہاں سے نمودار ہوا تھا۔ اب طوبی

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائس کو الٹی پی ڈی ایف ایڈفرس لنکس
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
کتاب کی مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ ناولز اور عمران سیریز کی مکمل رینج

Click on <http://paksociety.com> to Visit Us

<http://fb.com/paksociety>

<http://twitter.com/paksociety1>

<https://plus.google.com/112999726194960503629>

پاک سوسائٹی کو فیس بک پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو ٹویٹر پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو گوگل پلس پر جوائن کریں

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس

بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

**Dont miss a singal one of
your Favourite Paksociety's
Update !**

- i. Open Paksociety Page.
- ii. Click Liked.
- iii. Select Get Notifications.
- iv. Select See First.

All Done

Like Liked Message

☒ Get Notifications
Add to Interest Lists...

Unlike

IN YOUR NEWS FEED

☒ See First
See new posts at the top of News Feed

Default
See posts as usual

Unfollow

(بقیہ: مارخور)

جب بچے جوان ہو جاتے ہیں تو ماں پھر اپنے گروپ میں شامل ہو جاتی ہے۔ مارخور کی طبعی عمر 12 تا 13 سال ہوتی ہے۔

برطانوی راج کے دنوں میں مارخور کو مشکل ترین شکار کا جانور تصور کیا جاتا تھا کیوں کہ یہ دشوار گزار راستوں اور پہاڑی سلسلوں میں پائے جاتے تھے۔ اگرچہ افغانستان میں ان کا شکار غیر قانونی ہے لیکن نورستان اور لغمان کے علاقوں میں ان کا شکار روایتی طور پر کیا جاتا رہا ہے۔ بھارت میں پاکستانی سرحد کے قریب اب بھی ان کا شکار کیا جاتا ہے۔ تاجکستان، ازبکستان اور ترکمانستان میں مارخور کا شکار خوراک کے علاوہ ان کے سینگوں کی وجہ سے بھی کیا جاتا ہے جنہیں مختلف دیسی ادویات میں استعمال کیا جاتا ہے۔

شمال مغربی سرحدی علاقوں کے شکاری مارخور کا اکثر شکار کرتے ہیں کیوں کہ ان کے بیچ دار سینگ بہت خوب صورت ہوتے ہیں۔ ان کے سر کو سینگوں کے ساتھ حنوط کر کے آفیسر میس (Officer Mess) کی دیواروں پر آویزاں کیا جاتا ہے۔ دیوان خانہ کی دیواروں کو بھی ان کے سینگوں سے سجایا جاتا ہے۔ مارخور کی کھال سے لباس بھی تیار کیے جاتے ہیں اور کئی اقسام کے جیکٹ بھی بنائے جاتے ہیں۔

جنگلات کی کٹائی، آبادی میں سرعت کے ساتھ اضافہ اور مارخور کے بے تحاشا شکار کی وجہ سے ان جانوروں کی تعداد آئے دن گھٹتی جا رہی ہے۔

قدرت اور قدرتی وسائل کے تحفظ کی عالمی تنظیم (UCN) کے مطابق اس نوع کو ان جانوروں میں شامل کیا جاتا ہے جن کا وجود خطرے میں ہے۔ یعنی اگر ان کی حفاظت کے لیے مناسب اقدامات نہ کیے گئے تو مستقبل قریب میں یہ نسل کرۂ ارض سے ہمیشہ کے لیے ختم ہو سکتی ہے۔ مارخور پاکستان کا قومی جانور ہونے کے علاوہ آئی ایس آئی تنظیم کا بھی سرکاری نشان ہے۔

مارخور کی زندگی کو ان خطرات سے بچانے کے لیے پاکستان کی مرکزی حکومت نے 1972ء میں وائلڈ لائف پرنسپلشن ایکٹ شیڈول-1 کا نفاذ کر دیا تاکہ ان خوب صورت اور نایاب جانوروں کو ناپید ہونے سے بچایا جاسکے۔

☆☆☆

نے جیسے ہی آنے کی پتلی کو ہاتھ لگایا، وہ دایہ جانب سے ایک برتن کے عقب سے نمودار ہوا اور اسی سرعت سے چلتا: دوطولی کے سامنے آکر رک گیا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ کسی شرارت کے سوا نلنے والا نہیں، اس لیے اس نے جیسے ہی ہش... ہش کرنا شروع کیا، وہ اپنے ہچکلے پیروں پر کھڑا ہو گیا اور سر کو مخصوص انداز میں ہلانے لگا۔ ان حرکات کو دیکھ کر ذر کم ہونے لگا۔ وہ اسے ہنسنے کا اشارہ کرتی تو وہ مخصوص انداز میں حرکتیں کرنا شروع کر دیتا۔ طوبی کی دل چسپی کو دیکھ کر وہ کبھی قلابازیاں کھاتا تو کبھی ڈانس کر کے اسے متاثر کرنے لگا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ طوبی اس چوہے کو باورچی خانے میں موجود پاکر بھی شور نہیں مچا رہی تھی۔ وہ اس چوہے کی جسامت اور خوب صورتی سے متاثر ہونے لگی۔

اس نے سوچا کہ یہ عجیب چوہا ہے جو کچن میں گندگی کرتا ہے، نہ ہی ان کے کھانے پینے کی چیزوں اور برتنوں میں منہ ڈالتا ہے، وہ یقیناً اس سے دوستی کرنا اور اس کے قریب رہنا چاہتا ہے۔ یہ چوہا ان کے گھر میں رہ رہا تھا اور ان کا اچھا دوست بن گیا تھا لیکن طوبی اس کی دوستی کے اس انداز کو سمجھ نہیں پاتی تھی۔ کچھ ہی دنوں میں وہ طوبی کا دوست بن گیا۔ اب وہ جس جگہ موجود ہوتی، چوہا بھی وہیں چلا آتا۔ طوبی، چوہے کو دیکھ کر شور مچانے کی بجائے اسے اشارے کرتی جس پر وہ کرتب دکھانے لگ جاتا۔ طوبی اسے بسکٹ اور کیک کھانے کو دیتی جنہیں وہ مزے لے لے کر خوب جھوم جھوم کر کھایا کرتا۔ اب وہ اسے اپنا دوست سمجھنے لگی تھی۔

چوہے اور طوبی کی دوستی دیکھ کر طوبی کے والدین بے حد خوش ہوئے۔ حنا ہی نہیں، طوبی کی تمام دوست خوش تھیں۔ اسے چوہے کی دوستی کے بعد اس بات کا بھی خیال نہ رہا کہ پہلے چوہے کے خوف میں کی جانے والی بھاگ دوڑ کے سبب اس کا جسمانی وزن گھٹ کر نصف رہ گیا تھا۔ اب اس نے باہر کے کھانے اور چپس کھانے سے گریز کرتے ہوئے گھر کی اشیاء کھانا شروع کر دی تھیں جس کے سبب اس کا وزن پہلے کی طرح بڑھ نہیں رہا تھا۔ اب وہ سلیم اور اتھارٹ ہونے کے بعد اپنے والدین اور اپنی دوستوں کو ہی نہیں، بلکہ اپنے دوست بھورے سے چوہے کو بھی اچھی لگنے لگی تھی۔

☆☆☆

9۔ بحیرہ قلزم کو دوسرا نام کیا ہے؟

i۔ شیراز کارا ii۔ شیراز اخر iii۔ بحیرہ کجند شالی

10۔ سگریٹ کے دھوئیں کے ذریعے کون سا زہریلا مادہ خون میں شامل ہو جاتا ہے؟

i۔ کوئین ii۔ تریپٹین iii۔ ٹریکلوکس

جوابات علمی آزمائش اگست 2016ء

1۔ یکبارہ 2۔ کیپٹن محمد منور شہید 3۔ کانسی 4۔ سو، آدھا

5۔ خان پور 6۔ نیر ان شاہین بچوں کو بال دینا دیکھنا 7۔ امتیاز علی خان

8۔ فاروق 9۔ حضرت یاقوت 10۔ باہن

ان ماورے شاہ ساتھیوں کے درست نقل و حمل ہوئے ان میں سے 3 ساتھیوں کو بذریعہ قلم اندامی الحالت دینے پر رہے ہیں۔

1۔ 150 روپے کی کتب 2۔ 100 روپے کی کتب 3۔ 90 روپے کی کتب

4۔ 150 روپے کی کتب 5۔ 100 روپے کی کتب 6۔ 90 روپے کی کتب

7۔ 150 روپے کی کتب 8۔ 100 روپے کی کتب 9۔ 90 روپے کی کتب

10۔ 150 روپے کی کتب 11۔ 100 روپے کی کتب 12۔ 90 روپے کی کتب

13۔ 150 روپے کی کتب 14۔ 100 روپے کی کتب 15۔ 90 روپے کی کتب

16۔ 150 روپے کی کتب 17۔ 100 روپے کی کتب 18۔ 90 روپے کی کتب

19۔ 150 روپے کی کتب 20۔ 100 روپے کی کتب 21۔ 90 روپے کی کتب

22۔ 150 روپے کی کتب 23۔ 100 روپے کی کتب 24۔ 90 روپے کی کتب

25۔ 150 روپے کی کتب 26۔ 100 روپے کی کتب 27۔ 90 روپے کی کتب

28۔ 150 روپے کی کتب 29۔ 100 روپے کی کتب 30۔ 90 روپے کی کتب

31۔ 150 روپے کی کتب 32۔ 100 روپے کی کتب 33۔ 90 روپے کی کتب

34۔ 150 روپے کی کتب 35۔ 100 روپے کی کتب 36۔ 90 روپے کی کتب

37۔ 150 روپے کی کتب 38۔ 100 روپے کی کتب 39۔ 90 روپے کی کتب

40۔ 150 روپے کی کتب 41۔ 100 روپے کی کتب 42۔ 90 روپے کی کتب

43۔ 150 روپے کی کتب 44۔ 100 روپے کی کتب 45۔ 90 روپے کی کتب

46۔ 150 روپے کی کتب 47۔ 100 روپے کی کتب 48۔ 90 روپے کی کتب

49۔ 150 روپے کی کتب 50۔ 100 روپے کی کتب 51۔ 90 روپے کی کتب

52۔ 150 روپے کی کتب 53۔ 100 روپے کی کتب 54۔ 90 روپے کی کتب

55۔ 150 روپے کی کتب 56۔ 100 روپے کی کتب 57۔ 90 روپے کی کتب

58۔ 150 روپے کی کتب 59۔ 100 روپے کی کتب 60۔ 90 روپے کی کتب

61۔ 150 روپے کی کتب 62۔ 100 روپے کی کتب 63۔ 90 روپے کی کتب

64۔ 150 روپے کی کتب 65۔ 100 روپے کی کتب 66۔ 90 روپے کی کتب

67۔ 150 روپے کی کتب 68۔ 100 روپے کی کتب 69۔ 90 روپے کی کتب

70۔ 150 روپے کی کتب 71۔ 100 روپے کی کتب 72۔ 90 روپے کی کتب



درج ذیل دیئے گئے جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ فتح نہیں کئے گئے؟

i۔ فتح مکہ ii۔ صلح حدیبیہ iii۔ فتح خیبر

2۔ قدیم یونان کا مشہور شاعر ہومر

i۔ اندھانتا ii۔ بہرہ تھا iii۔ دیکھ تھا

3۔ سامی کس زبان کا لفظ ہے؟

i۔ یونانی ii۔ لاطینی iii۔ انگریزی

4۔ اس واحد اسلامی ملک کا نام بتائیں جس کے قومی ترانے میں الفاظ کی

جگہ فرانسیسی موسیقی کی دھنیں استعمال کی گئی ہیں؟

i۔ مگنی ii۔ ایران iii۔ اندونیشیا

5۔ حضرت شمس تبریزی کا مزار کہاں ہے؟

i۔ ملتان ii۔ کجرات iii۔ بہاول پور

6۔ یہ شعر باگمہ دراستے لیا گیا ہے۔ مکمل کیجیے:

آکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں

7۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی کس سن تک ملک کا صدر رہا؟

i۔ 1960 ii۔ 1961 iii۔ 1962

8۔ اسکوائش کے آفاقی شہرت یافتہ ریکارڈ ہولڈر جہانگیر خان کے والد کا

نام بتائیے؟

i۔ باشم خان ii۔ روشن خان iii۔ ہمت خان

9۔ باشم خان ii۔ روشن خان iii۔ ہمت خان

10۔ باشم خان ii۔ روشن خان iii۔ ہمت خان

11۔ باشم خان ii۔ روشن خان iii۔ ہمت خان

12۔ باشم خان ii۔ روشن خان iii۔ ہمت خان

13۔ باشم خان ii۔ روشن خان iii۔ ہمت خان

14۔ باشم خان ii۔ روشن خان iii۔ ہمت خان

15۔ باشم خان ii۔ روشن خان iii۔ ہمت خان

[illegible]

پیشہ ورانہ کونسل پاکستان

نام: _____

مقام: _____

تکمیل پتہ: _____

موبائل نمبر: _____

پیشگی کے ساتھ دینے پر چھاپا کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ: 10 نومبر 2016ء

نام: _____

شہر: _____

مکمل پتہ: _____

پیشگی نمبر: _____

میری زندگی کے مقاصد

پندرہ کروڑ پانچ سو روپے کی آمدنی ہے۔

نام _____

شہر _____

مقاصد _____

موبائل نمبر _____

نام _____ عمر _____

تکمیل پتا: _____



خ	ر	ط	و	م	ے	ع	ص	ڈ	چ
ل	ش	ء	ی	چ	ا	ر	ک	پ	ظ
ج	ٹ	ا	گ	ن	ن	گ	خ	م	ہ
ف	ز	ء	ل	و	ظ	ز	ل	س	ت
د	ا	د	غ	ب	غ	ک	و	ق	د
ج	م	ض	ن	ح	ہ	ڈ	ب	ط	م
ض	ب	ی	ر	و	ت	غ	ن	ث	ش
ا	ع	چ	گ	ے	ص	ف	ت	ع	ق
ی	ل	ک	ا	ب	ل	ق	س	ص	ڑ
ر	پ	ف	ف	م	ض	ح	ا	گ	ث

آپ نے حروف ملا کر دس اسلامی ملکوں کے شہروں کے نام تلاش کرنے ہیں۔ آپ ان ناموں کو وہ آئیں سے بائیں، بائیں سے دائیں، اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر تلاش کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس وقت دس منٹ کا ہے۔ جن ناموں کو آپ نے تلاش کرنا ہے وہ یہ ہیں:

کراچی، ریاض، کابل، مسقط، چٹاگانگ، بیروت، استنبول، بغداد، دمشق، خرطوم

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہوئی چاہیے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ L-5/78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

لڑکوں کا میلہ لگا ہوا تھا۔ تمام لڑکوں نے ریحان کو گھیر رکھا تھا اور یاسین ان سب میں پیش پیش تھا۔
”مجھے وہ ریحان بھائی.....“

”مجھے بھی دو، ریحان بھائی! بس ایسی ہی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ایسے میں یاسین نے متین کو دیکھ لیا۔
”آ جاؤ بھائی.....“ اس نے شوخی سے آواز لگائی۔ ریحان بھی مسکرایا مگر متین نے ناگواری سے منہ پھیر لیا۔

بریک ٹائم میں ریحان یہاں نان چنے کی ریڑھی لگاتا تھا۔ وہ ایک غریب لڑکا تھا۔ ابو کا سایہ سر پر نہیں تھا۔ امی چنے بنا دیتی تھیں۔ نان وہ نان بائی سے خرید لیتا تھا۔ یوں روزی روٹی کا وسیلہ بنا ہوا تھا۔ ریحان اٹلی ظرف کا مالک تھا۔ بریک ٹائم میں بچوں کو بھوک ستاتی تھی تو سب ریحان کے نان چنے کھاتے تھے۔ جن بچوں کے پاس جیب خرچ نہیں ہوتا تھا، ریحان انہیں بھی ایک نان اور تھوڑے سے چنے دے دیا کرتا تھا۔ یاسین کی ریحان کے ساتھ دوستی پہلے دن ہی ہو گئی تھی۔ اب وہ بریک ٹائم میں ریحان کی مدد کرتا تھا۔ پیالی میں چنے ڈال دیے۔ ریحان جھوٹے برتن دھوتا تو یاسین اتنی دیر میں سنے آنے والے گاؤں کو سنبالتا۔ کسی کو دس روپے کے چنے دیتا تو کسی کو بیس روپے کے..... یاسین کی یہ ادا ریحان کو تو پسند تھی مگر متین کو بھخت ناپسند۔

”آ جاؤ بھائی..... کھانا کھانا کتب“ یاسین نے متین کو پھر سے آواز دی۔ متین نے نفی میں سر ہلایا اور غصے سے بولا۔
”مجھے اسپتال جانے کا شوق نہیں ہے۔“ اس کی بات سن کر ریحان الجھ کر رہ گیا۔ وہ سوچنے لگا۔
”میرے نان چنے کھا کر کوئی اسپتال کیسے پہنچ سکتا ہے۔ یہ تو گھر میں میری امی کی بنائی ہنڈیا ہے۔“

متین کا خیال کچھ اور تھا۔ اسکول میں جب بھی کوئی طالب علم بیمار ہو جاتا تو متین بس ایک ہی بات کہتا۔

”اور کھاد ریحان کے نان چنے.....“ اس نے کتنی بار اپنے اساتذہ سے بات کی کہ اسکول کے سامنے سے ریحان کی ریڑھی بنا دی جائے کیوں کہ اس کے ہاتھ آلودہ ہوتے ہیں، اس کے برتن جراثیموں والے ہوتے ہیں، اس کے نان چنے بیماری کا گھر ہیں مگر اساتذہ نے اس کی بات نہیں مانی۔ ایک تو کم خرچ میں بچوں کو کھانے پینے کا سامان مل جاتا تھا، دوسرے اسکول کی انتظامیہ ریحان کے متعلق جاننے تھی۔ وہ کسی غریب سے اس کی روزی روٹی

چھین لینے کا گناہ اپنے سر نہیں لے سکتے تھے مگر متین ہر بات سے غافل تھا۔ اگر اسے بھوک لگتی تو وہ بیکری سے پکٹ بند اشیاء لے کر کھاتا۔ رفتہ رفتہ ریحان کے ساتھ اس کی نفرت میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا تھا۔ یاسین ساری بات سمجھتا تھا مگر خاموش رہتا تھا۔

اسکول میں متین کے چند ہم خیال لڑکے بھی موجود تھے۔ ایک دن متین کو پریشان دیکھ کر اس کے دوستوں کا گروپ اس کے پاس چلا آیا۔ ”کیا بات ہے متین.....“ انہوں نے متین سے پوچھا۔
”سوچ رہا ہوں کہ اس ریحان کی چھٹی کیسے کروائی جائے۔ جانے کیوں اسے دیکھ کر غصہ آتا ہے اور کبھی کبھی تو پڑھنے میں بھی دل نہیں لگتا۔“

”یہ کون سی مشکل بات ہے۔“ اس کا ایک دوست بولا۔
”کل ہی دیکھو.....“ متین نگر مند ہو کر بولا۔
”مگر میں لڑائی جھگڑا نہیں چاہتا۔“
”چند کام پیار محبت سے بھی ہو جاتے ہیں، فکر مت کرو۔ ہم تو کاٹے گاتے ریحان کی چھٹی کروادیں گے۔“
”کیا مطلب؟“ متین حیرت سے بولا۔
”کل دیکھ لینا.....“

”جانے کل کیا ہونے والا ہے.....“ متین اندازے لگا رہا تھا مگر اس کے ہاتھ کوئی سزا نہیں لگ رہا تھا۔ پھر وہ لمحہ آیا جس کا متین کو انتظار تھا۔ بریک ٹائم کی گھنٹی بجی تو لڑکے ریحان کی ریڑھی کی طرف لپکے۔ آج بھی یاسین، ریحان کے ساتھ تھا۔ پھر متین کے دوست آگے بڑھے۔ انہوں نے ریحان کو گھیر لیا۔ اب وہ تالیاں پیٹ رہے تھے۔ پھر ایک لڑکا بے سہری آواز میں بولا۔

”کھالو چنے کرارے.....“

پیٹ میں بھر لو شرارے.....

درو سے ہو گا حال بُرا.....

جاؤ گے تم سب مارے.....

کھالو چنے کرارے.....

ہم ہیں ای، ابو کے سہارے.....

پڑھنا، لکھنا بھی ہے پیارے.....

گر کھاد گے ریحان کے چنے.....

بے سوت مارے جاؤ گے سارے.....

کھالو چنے کرارے.....

متین اسکول کے گیٹ پر کھڑا یہ تماشا دیکھتے ہوئے مسکرا رہا۔

”جی صاحب.....“ متین کا کلیجہ پھٹ کر رہ گیا۔ جانے کتنی ہی برساتیں اس کی آنکھوں میں اتر آئیں۔ وہ روزانہ رات کو اپنے ابو سے پوچھتا تھا۔

”ابو! آپ اتنی دیر سے کیوں آتے ہیں؟“

”بیٹا! چھٹی تو پانچ بجے ہو جاتی ہے، مگر میں اضافی وقت دیتا ہوں۔“

”ابو! آپ اتنا کام مت کیا کریں۔“

”کرنا پڑتا ہے بیٹا، تم سب کے لیے۔“

متین یہ تو جانتا تھا کہ ابو ملازمت کرتے ہیں، مگر ملازمت کہاں کرتے ہیں، یہ اس نے آج جانا تھا۔

دن گزرا، پھر رات بھی گزر گئی۔ گھر کا کوئی فرد نہیں جانتا تھا

کہ متین پر کیا گزری۔ اگلے دن ابو دونوں بھائیوں کو اسکول چھوڑ کر

کام پر چلے گئے۔ متین نے اسکول کے سامنے خالی کونے کی طرف

دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ آج متین کا پرہیز میں بھی دل نہیں لگ

رہا تھا۔ جانے وہ کہاں کھویا ہوا تھا۔ پھر بریک ٹائم کی گھنٹی بجی۔

بچے شوق مچاتے باہر کو نکلے۔ متین سب سے آخر میں باہر نکلا۔

ریحان نان چنے کی ریڑھی کے ساتھ اپنی جگہ پر موجود تھا۔

”کیوں..... کیا خیال ہے؟ آج پھر سے گیت گائیں۔“ متین

کے دوست اس کے پاس چلے آئے۔

”زکو! آج جو کرنا ہے، مجھے کرنا ہے۔“ متین آگے بڑھا۔

ریحان گھبرا گیا۔ یاسین حیرت سے متین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کوئی

نہیں جانتا تھا کہ متین کیا کرنے والا ہے۔ متین ریڑھی کے پاس آ

کر رکھا۔

”بھنوک گئی ہے مجھے بھی نان چنے دو۔“ کہتے کہتے جانے

کیوں متین کی آنکھیں بھر آئیں۔

”ابھی لو بھائی.....“ ریحان نے جلدی سے پیالی میں چنے

ڈالے اور ایک نان متین کی طرف بڑھا دیا۔ متین نے نوالہ بنایا اور

منہ میں رکھ لیا۔ کھانے میں ماں کے ہاتھوں سے بنائے کھانے کی

لذت موجود تھی۔ متین کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

”کیا ہوا بھائی..... مریضیں زیادہ تو نہیں۔“ ریحان پریشان ہو گیا۔

”نہیں تو..... بیٹھے ہیں۔“ اس نے بڑی مشکل سے بات مکمل

کی۔ اس کی بات کوئی بھی سمجھنے کے قابل نہیں تھا۔ اس کے دل میں

احساس جاگ اٹھا تھا اور یہ احساس جگانے والا کوئی اور نہیں..... اس

کے ابو تھے۔

☆☆☆

تھا۔ اس ذلت سے ریحان گھبرا گیا۔ اس نے جلدی سے اپنی ریڑھی آگے بڑھا دی مگر اس کی آنکھوں میں موجود آنسو یاسین نے دیکھ لیے تھے۔ یاسین سمجھ گیا کہ یہ متین اور اس کے دوستوں کی ملی بھگت ہے۔ اب یاسین کو چپ لگ گئی۔ اسے متین کی یہ حرکت انتہائی ناگوار محسوس ہو رہی تھی۔

رات بارہ بجے کے قریب ابو جان گھر واپس لوٹے۔ متین اس وقت بھی ہوم ورک میں مصروف تھا۔ ابو کو دیکھ کر یاسین بستر سے باہر نکل آیا۔ اس نے ابو کو ساری کہانی سنائی کہ کس طرح متین نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر ایک غریب لڑکے کو ذلیل کیا جب کہ متین اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔ ابو نے دونوں طرف کی بات سنی اور پھر آدھ بھر کر بولے۔

”اب سو جاؤ، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ابو کے جواب پر یاسین کو حیرت ہوئی۔ انہوں نے متین کو کچھ بھی تو نہیں کہا تھا۔ اگلے دن معقول کے مطابق دونوں بھائی ابو کے ہمراہ اسکول کو روانہ ہوئے۔ اسکول کے سامنے پہنچ کر ابو نے موٹر سائیکل روکی۔

”یاسین تم اسکول جاؤ، متین میرے ساتھ جائے گا۔ مجھے کچھ کام ہے۔“ ابو کی بات سن کر دونوں بھائیوں کو حیرت ہوئی۔

”جی ابو“ یاسین چلا گیا۔ ابو نے موٹر سائیکل آگے بڑھا دی۔

”ابو کیا کام ہے؟“ متین نے پوچھا۔

”ذرا ٹھہر جاؤ! سب سمجھ جاؤ گے۔“ ابو متین کے ہمراہ چورہا ہے

پر موجود ایک ہوٹل میں چلے آئے۔ متین نے محسوس کیا کہ ریحان

سب ابو کے واقف تھے۔

”تم یہاں بیٹھو، میں ابھی آیا۔“ ابو ہوٹل کے اندرونی حصے میں

چلے گئے۔ اب متین دیکھ رہا تھا۔ ہوٹل کے ہال میں بہت سے لوگ

بیٹھے ناشتا کرنے میں مصروف تھے، پھر متین نے ایک ایسا منظر

دیکھا کہ ایک لمبے کے لیے اس کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا ہو۔ ابو

اس کے پاس آئے، اب ان کا لباس بدل چکا تھا۔ وہ اس وقت

ویٹر کی دروی میں تھے۔

”متین کوئی سوال مت پوچھنا، بس دیکھتے رہو۔“ متین کوئی

سوال پوچھنے کے قابل ہی کب رہا تھا۔

”آیا، صاحب.....“ کسی گاہک نے ابو کو بلایا۔ ابو دوڑ کر اس

کے پاس پہنچے، متین دیکھ رہا تھا۔ ایک گاہک نے اپنے ہاتھ میں

موجود روٹی ابو کی طرف اچھالی۔

”اندھے ہو کیا..... جلی روٹی لے آئے۔ سفید روٹی لے کر آؤ؟“

ٹیم میں شامل کر لیے گئے۔ دورہ بھارت کے لیے ان کا نام جب ٹیم میں آیا تو 1952-53ء میں امرتسر میں نارنگھ زون کے خلاف اپنے پہلے ہی میچ کی دونوں انگلیوں میں پنچریاں اسکور کر کے یادگار بنا دیا اور پھر اپنے پہلے ہی ٹیسٹ میچ میں کھیل کر نصف پنچری اس وقت بنائی جب پاکستانی ٹیم کے کلاڈی آؤٹ ہوئے جا رہے تھے لیکن انہوں نے 3 گھنٹے اور 40 منٹ وکٹ پر کھڑے ہو کر 51 رنز اسکور کیے۔

حنیف محمد کو اسی دوران لنل ماسٹر کا ٹائٹل مہاراج کمار آف نگرم نے دیا۔ دورہ بھارت کے بعد انگلینڈ میں بھی حنیف محمد نے شاندار بیننگ کی اور اپنی صلاحیتوں کا اظہار کیا اسی سال 1957-58ء کے ویسٹ انڈیز

دورے میں بھی انہوں نے اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور 337 رنز کی لائقانہ اننگ کھیلی جو ریکارڈ 16 گھنٹے 39 منٹ پر مشتمل تھی۔ قائد اعظم ٹرافی میں کراچی کی جانب سے بہاولپور کے خلاف 499 رنز بھی ان کی عظمت کا سہہ بولتا ثابت تھے۔

1964-65ء میں آسٹریلیا کا دورہ کیا تو میلبورن میں 104 اور 93 رنز اسکور کیے۔ حنیف محمد اپنے بھائیوں مشتاق محمد اور صادق محمد کے ہمراہ ایک ہی ٹیسٹ میں ایک ساتھ کھیلے جو کہ ایک منفرد اعزاز تھا۔ دو دہائیوں تک راج کرنے والے حنیف محمد نے بالآخر 1969-70ء میں رینائرمنٹ کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے 55 ٹیسٹ میچز کھیلے، 3915 رنز بنائے والے مایہ ناز ٹیسٹین نے 12 پنچریاں اور 15 نصف پنچریاں اسکور کیں جب کہ بلیئر فیلڈر، وکٹ کیپر کے 40 کچھ پکڑے، تاہم وہ صرف ایک ہی وکٹ حاصل کر سکے۔

نومبر 1959ء میں شادی کرنے والے حنیف محمد کے دو بیٹے کرکٹ شعیب محمد اور شاہ زیب محمد کے علاوہ ان کی بیٹی سیما ہیں۔ دنیائے کرکٹ کی تاریخ جب بھی مرتب کی جائے گی، حنیف محمد کا نام شہری تردف میں لکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حنیف محمد کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور لواحقین و سبگواران اور مداحین کو عبرتیں ملے۔ آمین! ☆☆☆



لی جنڈری کرکٹر لنل ماسٹر حنیف محمد بھی راج مغارت دے گئے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجہ جات بلند کرے۔ دنیائے کرکٹ کے عظیم ترین ٹیسٹین حنیف محمد 22 دسمبر 1934ء کو جونا گڑھ بھارت میں پیدا ہوئے۔ ان کا قد 5 فٹ اور 3 انچ تھا۔ اے جی اسکول جونا گڑھ اور سندھ مدرسہ اسکول کراچی میں تعلیم حاصل کرنے والے حنیف محمد کو بچپن سے ہی کھیلوں کا شوق تھا کیوں کہ ان کے والد خود بھی اسپورٹس مین تھے۔ ان کے والد شیخ اسماعیل محمد وکٹ کیپر اور بہترین کلب کرکٹر تھے۔ ان کی والدہ امیر بی بی جونا گڑھ بھارت میں قیام پاکستان سے پہلے متحدہ ہندوستان کی بیزمنٹ اور ٹینس چیمپئن تھیں۔

حنیف محمد اپنے بھائیوں وزیر محمد، رئیس محمد، مشتاق محمد اور صادق محمد کے ساتھ شام کو بجلی کی روشنی میں محلے کے لڑکوں کے ساتھ فرضی ٹیسٹ میچ کھیلا کرتے۔ چنانچہ یہ شوق انہیں آگے پروان چڑھنے میں فائدہ دے گیا۔ 1948ء میں جب یہ خاندان ہجرت کر کے کراچی آیا تو سندھ مدرسہ کے کوچ ماسٹر عبدالعزیز نے ان کی صلاحیتیں فوراً بھانپ لیں۔ ردلی شیلڈ انٹر اسکول ٹورنامنٹ میں حنیف محمد نے اے جی اے گراؤنڈ پر چرچ مشن اسکول کے خلاف کھیلتے ہوئے ساڑھے سات گھنٹے کرکٹ پرستے ہوئے 305 رنز اسکور کیے تو ان کی صلاحیتیں مزید نکھر کر سامنے آئیں اور پاکستان کی



مختصر مختصر

جتنا مرضی انہیں ڈانٹو
نہیں ان پر کوئی اثر
چھڑتے ہیں وہ ڈالی ڈالی
توڑتے رہتے ہیں شجر
روقی انہی سے ہے زندگی میں
یوں ہی وقت ہو رہا ہے بسر

(عربیہ خیال، لاہور)

واقعہ ایک بزرگ کا

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ خفیفؓ نے حج کی نیت سے اپنے
بہراہ ڈول ورتی لے کر سفر شروع کر دیا اور راستے میں شدتِ پیاس
کے عالم میں دیکھا کہ ایک چشمے پر پانی پی رہا ہے لیکن جب
آپؐ چشمے پر پہنچے تو پانی پینے ہو گیا۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے خدا تعالیٰ
سے عرض کیا کہ یا اللہ کیا میرا درجہ برفوں سے بھی کم ہے۔ ندا آئی
کہ چوں کہ برفوں کے پاس ڈول ورتی نہیں تھی، اس لیے ہم نے
پانی کو ان کے نزدیک کر دیا لیکن تمہارے پاس ڈول ورتی تھی، اس
لیے پانی دور کر دیا گیا۔ یہ سن کر آپؐ نے عبرت کے طور پر ڈول و
رتی پھینک دی اور پانی پینے بغیر آگے چل دیے، پھر ندا آئی کہ ہم
نے تو تمہیں تمہارے صبر کا امتحان لیا تھا۔ اب واپس جا کر پانی پی
لو۔ جس وقت آپؐ دوبارہ چشمے پر پہنچے تو پانی اوپر آ گیا تھا اور آپؐ
نے اطمینان سے پانی پیا اور وضع کیا اور اسی وضع سے مدینہ منورہ میں
داخل ہوئے پھر جب حج سے واپسی کے بعد بغداد میں حضرت جنید
سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر تھوڑا سا صبر کر لیتے تو
پانی تمہارے قدموں میں آ جاتا۔ (بشری حسنی، بکھور کوٹ)

تاجر کی نیک خصلتیں

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
کہ تاجروں کی تین خصلتیں ہوں تو ان کی کمائی عمدہ اور حلال ہوگی۔
1- جب وہ کسی سے کوئی چیز خریدے تو اس کی بُرائی نہ کرے۔
2- جب وہ کسی کو کوئی چیز فروخت کرے تو اس کی بے جا تعریف
نہ کرے یعنی خریدار سے مال کا عیب نہ چھپائے۔

شجر

شجر جتنے گئے چھتار ہوں گے
تو پھر اتنے ہی سایہ دار ہوں گے
شجر ہوں گے تو پھر سایہ بھی ہو گا
ہمارے پاس سرمایہ بھی ہو گا
ہر اک شاخ شجر کہتی ہے ہم سے
مجھے نسبت ہے اک باغِ ارم سے
کریں گے صاف یہ آب و ہوا کو
پھلوں سے یہ بڑھائیں گے غذا کو
مرے بچو شجر تم بھی لگاؤ
خود اپنے گھر میں اک پودا لگاؤ
بڑھاؤ قدر و قیمت اپنے گھر کی
اسی میں ہے بھلائی ہر بشر کی

(کرامت بخاری، لاہور)

آپؐ تو خفیف نظر آتے ہیں۔۔۔۔۔

قائد اعظمؒ سے کسی نے بڑے ادب سے پوچھا۔ ”قائد اعظمؒ!
دیکھنے میں آپ اس قدر خفیف نظر آتے ہیں لیکن یہ بات
بالکل سمجھ میں نہیں آتی کہ آپؐ اپنی قوم کی خاطر اس قدر مشقت
کس طرح برداشت کر رہے ہیں۔ براہِ کرم یہ سمجھا دیجیے کہ آپؐ
اس حالت میں اتنا کچھ کیوں کر لیتے ہیں؟“ قائد اعظمؒ نے برجستہ
جواب دیا۔ ”دو وجہ سے، ایک تو اس لیے کہ میں بہت کم کھاتا ہوں
اور دوسرے اس لیے کہ میرے دل کے اندر کوئی چور نہیں ہے۔“

(احمد کامران، لاہور)

تین شرارتی بچے

تین	شرارتی	بچے	پیارے
غیر	عبداللہ	،	نصر
سب	کو	ہنسانے	میں
نہیں	چھوڑتے	کوئی	کسر

3- خریداری کے درمیان جھوٹی قسم نہ کھائے۔ (سورہ کاران الاہور)

ماں کی شان

- ☆ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔ (حدیث نبوی)
- ☆ ماں کی نافرمانی کرنا کبیرہ گناہوں میں سے بڑا گناہ ہے۔ (حدیث نبوی)
- ☆ ماں کی نافرمانی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (حدیث نبوی)
- ☆ ماں کی خوشنودی دنیا میں باعث دولت اور آخرت میں باعث نجات ہے۔ (شیخ سعدی)

- ☆ ماں کی اصل خوبصورتی اس کی محبت ہے۔ (محمد علی جوہر)
- ☆ میری ماں دنیا کی خوب صورت ماں ہے۔ (محمد علی جوہر)
- ☆ ماں کے بغیر گھر ایک قبرستان ہے۔ (بنار شاہ)
- ☆ ماں کی آغوش انسان کی پہلی درس گاہ ہوتی ہے۔ (ارسل)
- ☆ ماں زندگی کی تاریک راہوں میں روشنی کا مینار ہے۔ (آلہ آبادی)
- ☆ (محمد سلیم نظامی، لاہور)

جواہرات سے قیمتی

- ☆ دنیا کی تمکین اتارنے کا بہترین ذریعہ ذکر ہے۔
- ☆ شکون سے رہنا چاہتے ہو تو لوگوں سے وعدے کم کرو۔
- ☆ بہترین مطالعہ انسانوں کا مطالعہ ہے۔
- ☆ خود پسندی سب سے بڑی تنہائی ہے۔
- ☆ اپنے آپ پر اعتماد رکھنے والے ہی فتح حاصل کرتے ہیں۔
- ☆ وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔
- ☆ ہر مقصد میں اللہ کی بڑائی، ملک کی بھلائی اور حق کی تلاش پیش نظر رکھو۔

- ☆ محنت سے گھبرانے والے کبھی ترقی نہیں کرتے۔
- ☆ ذاتی جھوٹری کرائے کے محل سے بہتر ہے۔
- ☆ زبان کو شکوے سے روکو، خوشی کی زندگی بظاہر ہوگی۔ (اسد اللہ، فیصل آباد)

احادیث مبارکہ

- ☆ تم ایسے آدمی کے پاس نہ جانا جو غیب کے علم کا دعویٰ کرنے والا ہو۔ (صحیح مسلم)
- ☆ سجدہ کبھی مردوں کو نہ کرو۔ (صحیح مسلم)

- ☆ لذتوں کو ختم کرنے والی موت کو ہمیشہ یاد رکھو۔ (صحیح بخاری)
- ☆ دنیا میں ایسے رہو جیسے اجنبی یا مسافر۔ (صحیح بخاری)
- ☆ اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو تروتازہ رکھتا ہے جو حدیث کو سنے اور پھیانے۔ (صحیح مسلم)
- ☆ جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائی، اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔ (متفق علیہ)
- ☆ حسد سے بچو کیوں کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔ (ابو داؤد)

(نہدینہ تحریم، ربنالہ خور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام

موسیٰ قدیم مسری زبان کا لفظ ہے جو دو کلمات (موس + شاہ) کا مرکب ہے موس کا مطلب پانی جب کہ شا کا مطلب شہر یعنی درخت ہے۔ آپ کو موسیٰ اس لیے کہا گیا کیوں کہ آپ کی والدہ نے آپ کو فرعون کے در سے پانی میں ڈال دیا تھا۔ اس طرح نہندون میں بند فرعون کے محل پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے آپ کو نکال لیا اور آپ کو موسیٰ یعنی پانی سے نکالا ہوا کہا جانے لگا۔ (کتیبہ ذہرہ لاہور)

قصہ

ایک دفعہ جنگل میں دو بچے وقت ایک چیتے کی گدھے سے بحث ہوئی۔ چیتے نے کہا: آسمان کا رنگ کیا ہے اور گدھے نے کہا کہ کالا ہے حالانکہ بات چیتے کی ٹھیک تھی۔ چیتے نے کہا، چلو جنگل کے بادشاہ کے پاس چلتے ہیں۔ دونوں شیر کے پاس گئے اور واقعہ سنایا تو شیر نے کہا:

"چیتے کو جیل میں ڈال دو۔" چیتے نے احتجاج کیا۔ "بادشاہ سلامت! میری بات ٹھیک ہے اور جیل بھی ٹھیک جانا پڑ رہا ہے۔" شیر نے کہا۔ "بات سچ اور جھوٹ کی نہیں، تمہارا قصور یہ ہے کہ تم نے ایک گدھے سے بحث کی ہے۔" (نہد احمد، لاہور)

حکمت و دانائی

- ☆ زبان اکثر انسان کو مصیبت میں پھنسا دیتی ہے۔ (حضرت ابوبکر صدیق)
- ☆ کم بولنا بہت بڑی حکمت ہے۔ (حضرت علی)
- ☆ کام یاب ہونا چاہتے تو بولو کم سنو زیادہ۔ (بقراط)
- ☆ عقل مند اس وقت بولتا ہے جب خاموشی ہوتی ہے۔ (شیخ سعدی)
- ☆ (مہد القیاس عزیز، فیصل آباد)

میری زندگی کے مقاصد



امید شیر افضل آباد
میں بی بی ہو کر ڈاکٹر بنوں گی اور
نرسیوں کا مفت علاج کر کے
انسانیت کی خدمت کروں گی۔



حافظہ عیدہ محمد صدیقی، وہاب پری
میں بڑا ہو کر سائنس دان بن کر
ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔



محمد عثمان دیندہاں
میں بڑا ہو کر انجینئر اور محب وطن
انسان بننا چاہتا ہوں۔



شہباز الرحمان، داؤد کینٹ
میں بڑا ہو کر ڈاکٹر بنوں گا اور
نرسیوں کا مفت علاج کروں گا۔



فاطمہ خالد، لاہور
میں بی بی ہو کر سائنس دان بننا
چاہتی ہوں اور سینے لگنے کا دم
روشن کرنا چاہتی ہوں۔



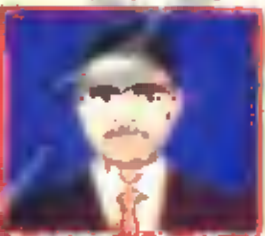
محمد حنیف خالد، داؤد کینٹ
میں وہیں ایسی جی کمانہ بن کر
خلیجیوں سے پاکستان کی خدمت
کروں گا۔



سارک علی، منشا لاہور
میں انجینئر بن کر ملک و قوم کی
خدمت کروں گی۔



مہدی طاہر، لاہور
میں بڑا ہو کر ڈاکٹر بن کر نرسیوں کو ملوں
کا مفت علاج کروں گا۔



محمد کبیر، لاہور
میں آئی ایم ایس بن کر ملک کی
خدمت کرونا چاہتا ہوں۔



محمد علی سید، چانڈا
میں انجینئر بن کر پاکستان کا دم
روشن کروں گا۔



سید آصف، لاہور
میں انجینئر بن کر ملک کی خدمت
کروں گا اور وہیں کا نام روشن
کروں گا۔



محمد ولید، کوثر خان
میں بڑا ہو کر انجینئر بنوں گا اور
ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔



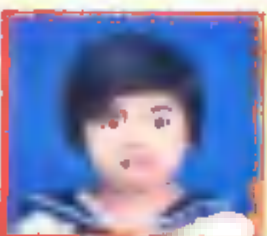
انوم ایوب، لاہور
میں فوجی افسر بن کر اپنے ملک
وطن کی حفاظت کر کے اپنے
والدین اور اساتذہ کرام کا
نام روشن کروں گا۔



عیدہ اشیر، لاہور
میں ڈاکٹر بن کر ملک کی دفاع کروں
گا۔



لایب نجم، سہانوالی
میں ہائیکل بن کر قوم کی خدمت
کرونا چاہتی ہوں۔



مریم فرید، اسلام آباد
میں بی بی ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتی
ہوں۔



سہیل عظیم، لاہور
میں بی بی ہو کر عالم دین بن کر دنیا
میں دین پھیلاؤں گی اور دین کی
خدمت کروں گی۔



محمد علی، لاہور
میں ڈاکٹر بن کر انسانیت کی
خدمت کرونا چاہتا ہوں۔



شہباز علی، لاہور
میں مہاتمی ہوں کہ پڑھ کر دھما
دھما بنوں اور اپنے والدین کی
خدمت کروں۔



ماہ نور نعیم

ہیں۔ مسکری آٹکھوں میں بے یقینی دوڑنے لگی۔
 ”فائز! اس نے اسے مخالف کیا۔“ کل ٹیسٹ تیار نہیں کیا
 تھا؟ آپ نے اپنے نمبر دیکھے ہیں، آپ کا اس کے باپ ہیں، اگر
 آپ کا یہ حال ہوگا تو باقی بچے کیا کریں گے؟“ وہ ایک لمحے کے
 لیے زکین۔ ”باقی تمام طالب علموں کے آپ سے زیادہ نمبر ہیں۔
 آپ نے صرف آٹھ نمبر حاصل کیے ہیں۔“ شمس یہ بھی ہوئیں آخری
 پنج کی طرف چل دیں۔ حمزہ بھی اس کی جماعت کا ہونے کا طالب علم
 تھا۔ حمزہ فائز سے ذرا کم ہی نمبر حاصل کر پاتا تھا۔ پچھلے ٹیسٹ میں
 وہ بہت کم نمبر حاصل کر پایا تھا۔ اس کی وجہ والدہ کی فراہمی صحت تھی
 اور وہ پوری توجہ سٹڈی تیار نہ کر پایا تھا۔ فائز نے اس کے کم
 نمبروں کو اپنی بہت بڑی فتح جانا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ حمزہ کبھی بھی
 اس سے آگے نہیں نکل سکتا اور وہ ہمیشہ اس سے شکست کھاتا رہے
 گا۔ ابھی کئی ہی کی تو بات ہے کہ اس نے دوران وقت حمزہ کو بہت
 بدتمیزی سے لٹاکر ٹیسٹ تیار کرنے کا کہا تھا کہ آج کا یہ ٹیسٹ
 دونوں کے لیے چیلنج ہوگا۔ مس حمزہ کا ٹیسٹ ہاتھ میں لیے، اس کے
 پنج کے پاس کھڑی ہو گئیں۔ ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔
 ”سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والا ہونہار بچہ حمزہ ہے،
 جس نے اپنی محنت اور لگن سے یہ ثابت کر کے دکھا دیا کہ وہ بھی

پوری جماعت پر سناٹا طاری تھا۔ پانچویں جماعت کے تمام
 طالب علم اپنی پوری توجہ مس راہجہ پر مرکوز کیے ہوئے تھے۔ سامنے
 دیوار پر لگے بلیک بورڈ پر آج کی تاریخ اور دن درج تھا۔ بورڈ سے
 اوپر دیوار پر وال کا اک کی سبکیاں نو بجے کی نشاندہی کر رہی تھیں۔
 کھلی اور ہوا دار کھڑکیاں، ہوا کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔ مس راہجہ
 ہاتھ میں چیک شدہ پیپر کا اس کے طالب علموں کو واپس لکھ رہے
 تھیں۔ تقریباً تمام بچوں نے شان دار نمبر حاصل کیے تھے۔ وہ پہلی
 رد سے ہوتی ہوئیں جب وہ دوسری رد تک آئیں تو آخری پنج پر
 بیٹا فائز مس کے تئیر دیکھ کر گھبرا اٹھا۔ اسے کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا
 کہ اس کے نمبر بہت کم ہیں۔ مس نے اسے اس کا ٹیسٹ دکھایا تو وہ
 دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس نے تیس میں سے صرف آٹھ نمبر لیے
 ہیں۔ مس اسے گھور کر دیکھنے لگیں تو وہ بے اختیار کھڑا ہو گیا۔ فائز
 ہمیشہ بہترین نمبر حاصل کر کے ہر ٹیسٹ میں ٹاپ کرتا تھا، مگر آج
 اس کے نہایت کم نمبر آئے تھے۔ ہدایت سے اس کی آنکھوں میں
 آنسو آ گئے اور وہ چورنگا ہوں سے باقی طالب علموں کی طرف
 دیکھنے لگا جو اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ سب اس
 پر ہنس رہے ہیں، مگر ایسا کچھ نہ تھا۔ پڑگا۔ وہ خود دوسروں کو مذاق کا
 نشانہ بناتا تھا، سو اسے لگا کہ آج سب اس سے بدلہ لے رہے

بہے اولاد بادشاہ

ایک بادشاہ اولاد تھا۔ جب اس کی موت کا وقت نزدیک آیا تو اس نے وصیت کی کہ میری موت کے دوسرے دن جو شخص سب سے پہلے شہر میں داخل ہو، میری جگہ اسے بادشاہ بنا دیا جائے۔ خدا کی قدرت کا تماشا دیکھیے کہ دوسرے دن جو شخص سب سے پہلے شہر میں داخل ہوا، وہ ایک فقیر تھا جس کی ساری زندگی ہر در کی بھیک مانگنے اور اپنی گودری میں زینہ پر بیوندگانے میں گزری تھی۔

امیروں، وزیروں نے بادشاہ کی وصیت کے مطابق اسے بادشاہ بنا دیا اور دو تاج و تخت اور خزانوں کا مالک بن کر بہت شان سے زندگی گزارنے لگا۔ قاعدہ ہے کہ ماسد اور کم ظرف لوگ کسی کو آرام میں دیکھ کر انکار میں پر توڑ پھوٹتے ہیں۔ اس فقیر کے ساتھ بھی یہی بنا جواب بادشاہ بن گیا تھا۔ اس کے دربار کے کچھ امراء نے اس پاس کے حکمرانوں سے ساز باز کر کے ملک پر حملہ کر دیا اور بہت سا غناقت ان حملہ آوروں نے فتح کر لیا۔

اس حادثے کی وجہ سے فقیر بادشاہ بہت افسردہ رہنے لگا۔ اتفاق سے انہی دنوں اس کا ایک ساتھی فقیر اجڑا نکلا اور اپنے بارگاہی حالت میں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے اسے مبارک باد دی کہ خدا نے تیرا مقدر سنوارا اور خوش خانگی سے آگاہ کرنا تھا کہ یہ بٹھا دیا۔

فقیر نے یہ بات بالکل درست سمجھی۔ کہاں دربار کی بھیک مانگنا اور کہاں تخت سلیمان پر جاؤ، افروز ہوا لیکن اس شخص کو تو اب بادشاہ بن جانے کی خوشی سے زیادہ ملک کا کچھ حصہ نہیں جانے کا غم تھا۔ تم بھری آواز میں ہوا۔ "ماں دوست! میری یہ بات تو غلط نہیں لیکن تجھے کیا معلوم کہ میں کیسی فکر میں گھرا ہوا ہوں۔ مجھے تو صرف اپنی دودھوں کی فکر ہو گی لیکن مجھے ساری رعایا کی فکر ہے۔

دنیا کا تو یہ حال ہے کہ اگرچہ ہمیں حاصل نہ ہو تو غمناک ہونے کا دم کرتے ہیں اور جب حاصل ہو جاتی ہے تو اس میں بہت کم چیز کو بھلا دیتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ دنیا ہے بڑا کڑا کڑا بلا نہیں۔"

جی اس نے فائز کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا، فائز بھونچکا رہ گیا۔ یعنی اس کے فائز کو معاف کر دیا تھا۔ وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور حمزہ کو گلے سے لگایا۔ حسد اور کدورتیں کہیں جا سوتی تھیں۔ اب حمزہ اور فائز دونوں اچھے دوست بن گئے۔ دونوں نے مل کر امتحانات کے لیے اسباق دہرانے شروع کر دیے اور کچھ مہینوں بعد ان کا نتیجہ آیا تو دونوں حیران رہ گئے۔ دونوں کے ایک جیسے نمبرز تھے۔ دونوں اپنی جماعت کے ناپر بن گئے۔ اب فائز نے فیصلہ کر لیا کہ وہ زندگی میں کبھی بھی حسد کی آگ کو اپنے دل میں جگہ نہ دے گا اور غرور کے بیج کو کبھی بھی اپنے دل میں پھینے نہیں دے گا۔ اس تجویزی سی عمر میں اس نے پوری زندگی کے لیے ایک اچھا سبق حاصل کیا تھا۔

☆☆☆

کسی سے کم نہیں ہے۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوئیں۔ "حمزہ کے لیے تالیاں بجائی جائیں، یہ تعریف کے مستحق ہیں۔ انہوں نے انٹیس نمبر حاصل کر کے اس ٹیسٹ میں اول پوزیشن حاصل کی ہے۔" مس نے یہ کہہ کر اسے اس کا ٹیسٹ دکھایا تو وہ بے اختیار اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔ خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

"شکر یہ مس۔" یہ کہہ کر اس نے وہ ٹیسٹ تمام لیا اور اس پر نظریں دوڑانے لگا۔ بڑا سا "گڈ" اس کی کامیابی پر نازاں تھا۔ مس واپس اپنی ٹیبل کے پاس گئیں اور اپنا بیگ کھول کر اس میں سے کچھ دیکھنے لگیں۔ وہ ایک خوب صورت کور والی کتاب تھی، جس پر مس کا آؤگراف بھی تھا۔ بورڈ کے سالانہ امتحانات سے پہلے یہ آخری ٹیسٹ تھا جس میں فائز برقی طرح ناکام بن چکا تھا۔ مس نے حمزہ کا نام بولتے ہوئے اسے اپنے پاس بلایا اور گفت سے تمنا دیا۔ دراصل انہوں نے تمام بچوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک کتاب لکھنے کے طور پر اس طالب علم کو دس مئی جو اس ٹیسٹ میں اول آئے گا۔ جب اس چلی گئیں تو تمام بچے اشتیاق سے حمزہ کے ارد گرد جمع ہو گئے اور مس کا آؤگراف پڑھنے کی خواہش ظاہر کرنے لگے۔ حمزہ وہ کور اتارنے لگا۔ فائز اپنی جگہ بیٹھا تھا۔ اس میں ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ حمزہ کو مبارکبادی دے دے۔ اس نے اپنے دل میں غرور کو جگہ دی تھی۔ وہ حمزہ کو دیکھنا چاہتا تھا اور اب خود مس جھکا کر بیٹھا تھا۔ اسے کل شام کا وہ وقت بھی یاد آیا جب اس کی والدہ نے اس سے اپنا ٹیسٹ یاد کرنے کو کہا تھا وہ مانتے پر شک نہیں سجائے، لا پرواہی سے "اچھا" کہہ کر اوپر چھوٹا پرچک اڑا کر چل دیا تھا۔ کاش، وہ اپنی والدہ کی بات مان لیتا تو آج شرمندگی سے بچ جاتا۔ کتنی خواہش تھی اسے کہ وہ آؤگراف حاصل کر کے، دوسرے طالب علموں پر اپنی برتری کا ثبوت کرتا مگر اس کے غرور نے اس کی پھیلی ساری غنٹ پر پانی پھیر دیا تھا۔ اب اس نے خود کو سدھارنا تھا کہ کہیں بورڈ کے امتحانات نہیں وہ ٹیبل منہ ہو جائے اور اس کا بھی غرور اسے لے نہ دے۔ وہ بے ہمتی سے اب اس ہٹا ہونے لگا۔ غرور کے خاک میں ملانا تھا۔ ابھی وہ بیٹھا ہی سوچ رہا تھا کہ اسے اپنے کندھے پر کسی کے ہاتھ کا لمس نہیں ہوا تو وہ جو کچھ بڑا۔ ان نے دیکھا کہ حمزہ اس کے پیچھے کھڑا مسکرا کر اسے دیکھ رہا ہے۔ پھر فوراً

سویرا

چڑیوں نے گیت گایا، مرغوں نے غل مچایا
وقتِ سحر کا نغمہ، بلبل نے خوب گایا
سورج نے پھر سے اپنا دربار ہے سجایا
اُٹھ کے رہا جہاں سے اب ظلمتوں کا ڈیرا
لو ہو گیا سویرا! لو ہو گیا سویرا!
ساحل سے کھیلتا ہے دریا کا صاف پانی
لہرا رہا ہے سبزہ پہنے لباس دھانی
دیکھو ہر ایک شے سے ظاہر ہے شادمانی
لہرا رہا ہے دیکھو وہ صبح کا کچھیرا
لو ہو گیا سویرا! لو ہو گیا سویرا!
گلشن میں دھیرے دھیرے کلیاں بھی مسکرائیں
شاخیں گلوں کی دیکھو فرحت سے لہلہائیں
گلشن سے بلبلیں یہ پیغام ساتھ لائیں
غفلت سے سونے والو سستی نے تم کو گھیرا
لو ہو گیا سویرا! لو ہو گیا سویرا!

سہارک علی مشدی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آن لائن بیسٹ سیلرز:-



میں 150 سے زائد کیمیائی مادے پیدا ہوتے ہیں جو انہیں خوشبودار اور ذائقے وار بناتے ہیں۔ زعفران کی متعدد اقسام ہیں جو ان کے رنگ ذائقے اور خوشبو کی بنیاد پر ہیں۔ ایران، آسٹریلیا، ترکی، بھارت، پرتگال، اٹلی، اسپین وغیرہ میں زعفران اکثر کھانوں میں استعمال ہوتا ہے۔ زعفران غذائی لحاظ سے بھی وٹامن اے، بی اور سی کا خزانہ ہے۔ میلشیم، آئرن، میگنیشیم، فاسفورس، پوٹاشیم، سوڈیم اور زنک سے بھرپور زعفران کھانوں کی لذت و خوشبو کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ ایک اندازہ ہے کہ زعفران سے انسان 5000 برس قبل بھی واقف تھا۔ زعفران کی کل پیداوار کا تقریباً 90 فی صد ایران اور باقی بھارت، آسٹریلیا، یونان اور مراکو بھی زعفران پیدا کرنے والے ممالک ہیں۔



انسولین

انسولین (Insulin) ایک ہارمون ہے جو ہمارے لبلبہ (Pancreas) سے خارج ہو کر خون میں گلوکوز کی مقدار کو کنٹرول کرتا ہے۔ یہ پروٹین کا بنا ہے اور اسے لبلبہ کے بیٹا سیلز "Beta Cells" خارج کرتے ہیں۔ یہ بات 1869ء میں برلن جرمنی کے

زعفران

زعفران کا شمار قیمتی ترین مصالحہ جات (Spices) میں ہوتا ہے۔ یہ "Crocus Sativus" نامی پودے کے پھول سے حاصل



میڈیکل طالب علم "Paul Langerhans" نے معلوم کی کہ لبلبہ میں الفا (Alpha) سیلز اور بیٹا (Beta) سیلز پائے جاتے ہیں جنہیں "Islets of Langerhans" کا نام دیا گیا۔ لفظ انسولین لاطینی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے "جزیرہ" (Islets)۔ انسولین کی دریافت کا سہرا ایف جینٹنگ (F. Banting) اور جے جے آر میکلوڈ کے سر ہے۔ انہیں 1923ء میں نوبل ایوارڈ سے نوازا

ہوتا ہے۔ اس پودے کی بلندی 20 سے 30 سینٹی میٹر (8 سے 12 انچ) ہوتی ہے۔ دیکھنے میں پیاز نما پودے کے 5 سے 11 تک پتے ہوتے ہیں جنہیں "Cataphylls" کہا جاتا ہے۔ ان کا کام پیاز کے چھلکے کی طرح کا ہوتا ہے جب کہ سبز پتے 1 سے 3 ملی میٹر کے قطر (Diameter) ہوتے ہیں جو پودے کی خوراک بناتے ہیں۔ پھول بھیجی بھیجی خوشبو پیدا کرتے ہیں جس کی وجہ سے کہ زعفران

کوارٹر امریکی شہر نیویارک میں ہے۔ ہر سال 24 اکتوبر کو اقوام متحدہ کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔

را

بھارت کی بدنام زمانہ جاسوسی کی تنظیم کا نام را (RAW) ہے۔ "را" درحقیقت "Research and Analysis Wing" کا مخفف ہے۔ یہ بھارتی ایف آئی اسفہ کے تحت 21 ستمبر 1968ء کو قائم کی گئی۔ اس تنظیم کا بنیادی مقصد برہمنی ممالک کی فوجی، سیاسی و انتظامی سرگرمیوں پر نظر رکھنا ہے۔ علاوہ ازیں برہمنی ممالکوں میں بدامنی اور دھماکے کروانے کی ذمہ داری بھی اسی تنظیم پر ہوتی ہے۔

گھیا۔ اس ہارمون کی کمی سے شوگر کی بیماری (Diabetes mellitus) ہو جاتی ہے۔ "Dorothy Hodgkin" نامی خاتون کو 1964ء میں نوبل انعام ملا کہ انہوں نے انسولین ہارمون کے کرسٹل ٹھوس حالت میں بیان کیے۔ ایسے مریض جن میں انسولین کی کمی کے باعث شوگر کے مرض کا علاج کرنا ہوا نہیں انسولین کے ٹپکے لگائے جاتے ہیں تاکہ جسم سے یہ داری کے اثرات کو کم کیا جاسکے۔

اقوام متحدہ

دنیا کے 193 ممالک کی رکنیت پر مشتمل بین الاقوامی ادارہ اقوام متحدہ کو ایڈین او "United Nations Organization" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ادارہ 24 اکتوبر 1945ء کو وجود میں آیا۔ اس کا نام امریکی صدر فرینکلن ڈی روز ویلٹ نے تجویز کیا۔ اس ادارے کا بنیادی مقصد دنیا میں امن اور مشترکہ مسائل کو حل کرنا اور جنگ و جدل



کے اے ہے۔ مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے میں بھی اسی کا ہاتھ تھا۔ اس ادارے کے پہلے ڈائریکٹر کا نام "Rameshwar Nath Kao" تھا۔ اس ادارے کا ہیڈ کوارٹر بھارتی دارالحکومت دہلی میں ہے جو امریکی جاسوسی ادارے سی آئی اے کی طرز پر کام کرتا ہے۔ بھارتی وزیراعظم کے نیچے براہ راست سیکرٹری "را" کام کرتا ہے۔ ان عہدوں پر ایسے افراد تعینات کیے جاتے ہیں جو برہمنی ممالک خاص کر پاکستان اور چین کے خلاف امریکہ، برطانیہ اور اسرائیل سے تربیت یافتہ ہوں۔ ان سیکرٹری (ڈائریکٹرز) کو پاکستان دشمنی پر خصوصی ترقی دی جاتی ہے۔ "را" کے ایجنٹ کو "Research Officer" پکارا جاتا ہے۔ تنظیم کی سرگرمیوں کو خفیہ رکھا جاتا ہے۔ دشمن کی اس تنظیم نے اربوں ڈالر ہائٹ کر پاکستان میں کالا باغ ڈیم کی تعمیر بھی رکوا رکھی ہے۔ پاکستان نے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے سی آئی اے کے نام سے ادارہ بنا رکھا ہے۔



سے انسانیت کو بچانا ہے۔ اس کے چھ بڑے ادارے ہیں جن کے تحت سترہ ذیلی ادارے بھی کام کرتے ہیں۔ اہم اداروں میں جنرل اسمبلی، سیکرٹریٹ، عالمی عدالت انصاف، اقتصادی و سماجی کونسل، سکیورٹی کونسل وغیرہ شامل ہیں۔ جنرل اسمبلی میں تمام ممالک کے رکن بیٹھے ہیں جن کا ایک صدر ہوتا ہے۔ اسی طرح یو این سیکرٹریٹ کی سربراہی جنرل سیکرٹری کے سپرد ہوتی ہے۔ اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری بائیں مہوں کا تعلق جنوبی کرپا سے ہے۔ ادارہ چلانے کے لیے ممالک چند ایسے ہیں۔ ان میں امریکہ، جاپان، چین، جرمنی، فرانس، برطانیہ اور سعودی عرب وغیرہ شامل ہیں۔ اقوام متحدہ کا ہیڈ

نئے قارئین

پوچھو تو جانیں



- 4- دو چیز ہے کہ خود پر
پری کی طرح ناز کرے
بے پر کی آڑے
اور نہ آواز کرے
- 5- مجھ کو شوق سے روز ہیں کھاتے
جو بچے دیر سے اسکول آتے
- 6- سر ٹوٹے سل بن ٹوٹے
ہر چیز کبھی نہ ٹوٹے
- 7- جزا جائیں تو اندھیار
بکھریں تو پھیلے اجیوار
- 8- تین ٹانگیں کا جانور
سب کو دے ٹھنڈی ہوا

پتھر 9-
1-74

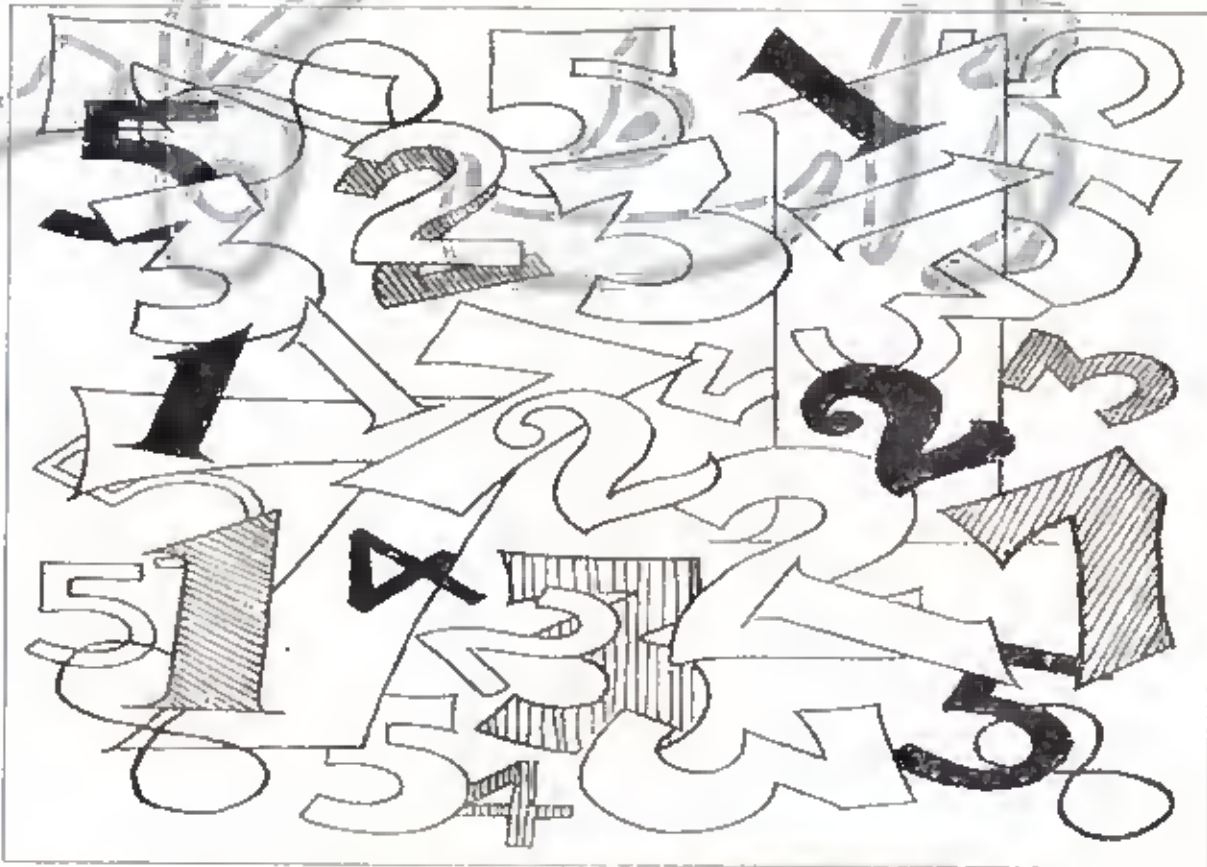
پتھر 9-
2-74

پتھر 9-
3-74

پتھر 9-
4-74

- 1- کبھی اٹھایا کبھی بٹھایا
قدم قدم یوں اسے چلایا
 - 2- سبز لباس پہ اکثر ڈاکہ ڈالا
سپالوں (مہرین فاطمہ، منڈی بھاؤ الدین)
 - 3- ہم نے دیکھے چار یار
آگے منڈی سے بازار
 - ایک کے سر پر ٹوپی
 - ایک کے سر پر بال
 - ایک کے پیٹ میں پتھر
 - ایک کے پیٹ میں رال
- (عائشہ خالد شیح، محب خالد شیح، اہور)

ان جہنم کے بندے کئی کئی بار لکھ دئے ہیں۔ ذرا معلوم کیجئے کہ ہر بندہ کتنی بار لکھا گیا ہے۔



1-74 2-74 3-74 4-74 5-74 6-74 7-74 8-74 9-74 10-74



ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور ہیں اور کھانے کے اور

مہمانوں کے واسطے لایا تھا، آپ نے اسے گھر میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔ "عالیہ کو سن کر ایک دم ہاتھی کے دانتوں والی بات یاد آ گئی تو وہ ہنس کر کہی۔ "ابو! ہمارے برتن نہ ہوئے ہاتھی کے دانت ہو گئے کہ مہمانوں کو دکھانے کے اور، اپنے کھانے کے اور!"

چند دن بعد عالیہ کی خالہ آئیں۔ ان کے بیٹے کی شادی تھی۔ وہ عالیہ کی امی سے کہنے لگیں: "ایسا اپنا بڑا سیٹ اور کٹن چند دن کے لیے دے دو۔ عامر کی بڑی بیٹی کو کھانے کے لیے جانے ہوں گے کیوں کہ میں تو بس ایک چھبلا سا سیٹ ہی ہوا کی ہوں۔"

"ہاں آپا! یہ بھی آپ نے ٹھیک سوچا، آخر سب نے بڑی دیکھنی ہوتی ہے۔" عالیہ کی امی نے جواب دیا۔

عالیہ کو اس موقع پر پھر ہاتھی کے دانت یاد آ گئے اور وہ بے اختیار بول اٹھی: "خالہ! یہ تو وہی ہاتھی کے دانتوں والی بات ہوئی کہ کھانے کے اور، دکھانے کے اور۔ اصل میں تو ہماری بھانجی کا ایک ہی سیٹ ہو گا اور دکھاوے میں انی کا سیٹ اور کٹن۔"

خالہ بے چاری شرمندہ ہو گئیں تو ماں نے عالیہ کو ڈانٹا۔ یہ بات دراصل ایک دل چسپ ضرب المثل ہے کہ جہاں اصل کچھ ہو اور ظاہر کچھ اور تو کہتے ہیں: واہ بھی..... ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔

عالیہ ایک روز اپنے ابو کے ساتھ چڑیا گھر دیکھنے گئی۔ وہاں اس نے ہاتھی دیکھا مگر یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ تصویروں میں تو ہاتھی کے دانت لہلہ دانت ہوتے ہیں مگر چڑیا گھر کے اس ہاتھی کے سر سے دانت ہی نہیں ہیں۔ اس نے اپنے ابو سے پوچھا:

"ابو! کیا اس ہاتھی کے ابھی دانت نہیں نکلے؟ تصویروں میں تو ہمیشہ ہر ہاتھی کے بڑے بڑے دانت ہوتے ہیں۔"

بچی کی بات سن کر ابو ہنسنے لگے اور بولے: "جی! ہاتھی کے ان لیے دانتوں سے بہت سی چیزیں بنتی ہیں اور وہ چیزیں بہت قیمتی ہوتی ہیں، اس لیے ہاتھی کے دانت کسی نے نکال لیے ہوں گے۔"

"ادھو! تو پھر یہ بے چارہ اپنی خوراک کیسے کھاتا ہو گا؟" عالیہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"ہاتھی اپنے لیے دانتوں سے کھانے کا کام نہیں لیتا، یہ صرف نمائش ہوتے ہیں۔ کھانے کے لیے یہ اپنے منہ کے اندر والے دانت استعمال کرتا ہے۔" ابو نے بتایا۔ عالیہ کو یہ بات بہت عجیب معلوم ہوئی کہ ہاتھی کے بڑے دانت صرف دکھاوے کے ہوتے ہیں، کھانے کے کام آنے والے دانت منہ کے اندر ہوتے ہیں۔ وہ کئی دن تک اس بات کو بھول نہ سکی۔

ایک دن اس نے اپنے ابو کو کہتے سنا۔ "بیگم! نیٹی سیٹ میں

علامہ حسین حسین



پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان

پاکستان کی جانب بڑھی۔ ان میں کئی مرد، عورتیں اور بچے قتل اور اغوا ہوئے۔ پاکستان کی آزادی اور مسلمانوں کی ہجرت کی داستان انتہائی الم ناک ہے۔

قائد اعظم محمد علی جناح ایک اصول پسند سیاست دان تھے۔ انہیں نے اس کے باوجود فرمایا کہ اب باؤنڈری کمیشن کا فیصلہ چاہے غلط ہو یا صحیح، ہم اس پر کاربند رہنے کے پابند ہیں۔ ایک ذی وقار قوم کے افراد ہونے کے ناتے ہمیں اس پر قائم رہنا ہے۔

10 اگست 1947ء کو کراچی میں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس کا آغاز علامہ بشیر احمد عثمانی کی تلاوت سے ہوا۔ اس کے بعد لیاقت علی

خان نے دستور ساز اسمبلی کے صدر کے لیے عارضی طور پر جوگندر ناتھ منڈل کا نام پیش کیا۔ خواجہ ناظم الدین نے اس کی تائید کی۔

اگلے دن 11 اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی کا دوسرا اجلاس ہوا۔ اس روز قائد اعظم محمد علی جناح کا نام دستور ساز اسمبلی کے صدر کے لیے پیش ہوا اور وہ اس کے باضابطہ صدر منتخب ہو گئے۔ اس یادگار موقع پر لیاقت علی خان نے ان الفاظ میں بانی پاکستان کو خراج تحسین پیش کیا۔

”قائد اعظم! یہ بات سیرے لیے خوشی کا موجب ہے کہ میں آپ کو دستور ساز اسمبلی کا صدر منتخب ہونے پر مبارکباد پیش کروں۔ آپ کے لیے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ آپ پاکستان کے بانی ہیں اور یہ ہماری خوش بختی ہے کہ ہمیں آپ جیسا صدر ملا۔ مجھے گزشتہ گیارہ سال سے آپ کے ساتھ رہنے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس لیے میں پوری ایمان داری اور صداقت سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ پاکستان کا قیام مکمل طور پر نہیں تو کافی حد تک آپ کی محنت اور جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ حکومتی ڈھانچہ تیار کرتے وقت ہمیں آپ کی رہنمائی حاصل رہے گی۔ اس خود مختار ادارے کا صدر منتخب ہونے کے بعد آپ اسمبلی کے صدر ہونے کے ساتھ ساتھ انتظامیہ کے سربراہ بھی ہیں۔

اسی روز لیاقت علی خان نے پاکستان کا پرچم منظوری کے لیے پیش کیا اور کہا: ”کسی قوم کا پرچم کھنٹ کپڑے کا ٹکڑا نہیں ہوتا بلکہ اس کی اہمیت اس بات میں ہے کہ وہ کس کی نمائندگی کرتا ہے اور

3 جون 1947ء وہ تاریخ ساز دن تھا جب آل انڈیا ریڈیو دہلی سے ہندوستان کی تقسیم کا اعلان کیا گیا۔ ہندوستان میں نے کیا۔ اس کے بعد نئے وجود میں آنے والے ملک پاکستان کے گورنر جنرل اور وزیر اعظم کے انتخاب کا مرحلہ تھا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے فیصلے کے مطابق قائد اعظم محمد علی جناح کے دست راست لیاقت علی خان نے لاہور ماؤنٹ بینن کو خط لکھ کر مطلع کیا کہ مسلم لیگ نے محمد علی جناح کو پاکستان کا گورنر جنرل نامزد کیا ہے۔

قائد اعظم محمد علی جناح نے بطور گورنر جنرل لیاقت علی خان کو پاکستان کا پہلا وزیر اعظم نامزد کیا۔ ان کے ساتھ ساتھ قائد اعظم نے دیگر وزیروں کے ناموں کا بھی اعلان کیا۔ ان میں آئی آئی چندریگرہ سردار عبدالرب نشتر، راجا غنیش علی خان اور جوگندر ناتھ منڈل شامل ہیں۔ لیاقت علی خان کو گورنر جنرل کی جانب سے نئی وجود میں آنے والی مملکت کی دستور ساز اسمبلی کا رکن بھی نامزد کیا گیا۔

اسی دوران باؤنڈری کمیشن کا فیصلہ بھی آ گیا۔ یہ سرحدی علاقوں کی تقسیم سے متعلق تھا کہ پاکستان کے حصے میں کین کون سے شہر اور علاقے آئیں گے اور انڈیا کن کن علاقوں کا مالک ہوگا۔ اس کمیشن کے سربراہ برطانوی قانون دان مسٹر ریڈ کلف تھے۔ اس کمیشن نے پاکستان کے ساتھ ناانصافی کی۔ وہ علاقے جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی، وہ بھی انڈیا کے حوالے کر دیے جس سے مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ مسلمانوں کی کثیر تعداد بے سرو سامانی کی حالت میں

میں باخوف و تردد یہ کہہ سکتا ہوں کہ جو پرچم میں سے پیش کیا ہے، وہ ان لوگوں کی آزادی اور مساوات کا نشان ہے جو اس سے وفاداری کا عہد کرتے ہیں۔ یہ پرچم شہریوں کے جائز حقوق کی حفاظت کرے گا۔
"یہ کسی سیاسی جماعت یا گروہ کا پرچم نہیں بلکہ یہ پاکستان کا قومی پرچم ہے اور یہ اقوام عالم کی نظر میں عزت حاصل کرے گا۔"

12 اگست 1947ء کو ہونے والے دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں انہوں نے ایوان کے سامنے یہ قرار داد رکھی کہ آئندہ سے محمد علی جناح کو قائد اعظم محمد علی جناح لکھا اور بولا جائے اور تمام سرکاری دستاویزات پر بھی یہی نام لکھا ہو۔ یہ قرار داد بھی منظور ہوئی۔

15 اگست 1947ء کو اعلان آزادی کے بعد قائد اعظم محمد علی جناح نے لیاقت علی خان سے بطور وزیر اعظم اور ان کی کابینہ کے وزیروں سے حلیہ کیا۔ لیاقت علی خان وزیر اعظم کے ساتھ ساتھ امور خارجہ، دولت مشترکہ اور دفاع کے معاملات کے بھی نگران تھے۔

لیاقت علی خان کو گھمبیر صورت حال سے دوچار ملک ماننا تھا۔ جہاں ہر طرف مسائل پر اٹھائے کھڑے تھے۔ ستمبر 1947ء کو کشمیر کی صورت حال پر تباہ خیال بننے پر ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ مائونٹ بیٹن آئے۔ اس دن لیاقت علی خان کی طبیعت بہت حد

خراب تھی مگر پھر بھی انہوں نے ملاقات کی اور اندیا کے موقف کی مخالفت کی۔ اندیا کا موقف تھا کہ کشمیر کی بگڑتی ہوئی صورت حال پر اپنی فوج بھیجے گا۔ لیاقت علی خان کا خیال تھا کہ کشمیر کی بگڑتی ہوئی صورت حال مبارجا کشمیر کی پیدا کردہ ہے۔

لیاقت علی خان بدستور پاک و ہند کے ان رہنماؤں میں سے ایک تھے جن کی امانت و دیانت اور ان کے عزم سے محبت پر ان کا جواز سے بڑا دشمن بھی اٹھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ وہ ہمیشہ صاف ستھری سیاست پر یقین رکھتے تھے۔ انہیں اقتدار میں رہنے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ وہ وزیر اعظم

بھی، قائد اعظم کی خواہش پر قوم کی خدمت کے لیے بیٹھ تھے۔

ایک بار کراچی میں انہوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

"وزارتِ فطنی کی چمک دمک میرے لیے بے معنی ہے۔ اگر

مجھے معلوم ہو کہ میں بطور چیف ایسی پاکستان کی بہتر خدمت کر سکتا

ہوں تو میں انکار نہیں کروں گا۔"

لیاقت علی خان، قائد اعظم سے بے حد متاثر تھے۔ انہوں نے

زندگی گزارنے کا سلیقہ بھی قائد اعظم محمد علی جناح سے سیکھا تھا۔ خود

کہ وہ قائد اعظم کا ادنیٰ سیاسی بھی نہیں کرتے تھے۔

11 ستمبر 1948ء کو قائد اعظم انتقال فرما گئے۔

انہوں نے برصغیر کے اس رد و نما اور پاکستان کے بانی قائد اعظم محمد علی جناح کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:

"پاکستان ہمیں دنیا کے دیگر حصوں میں بسنے والے مسلمانوں

کو جن کی رہبری اور دانش مندی کی ضرورت تھی، وہ آج ہم سے

جدا ہو گئے۔ انہیں کم ہوا ہے کہ کوئی شخص کسی بڑے کام کا آغاز

کرے اور اپنی زندگی میں ہی مکمل کر لے۔ قائد اعظم نے نہ صرف

پاکستان کا نصب العین مسلمان کے سامنے پیش کیا، بلکہ اس کے لیے

جدا جہد کر کے دنیا میں سب سے بڑی اسلامی ریاست قائم کر دی۔

12 مارچ 1949ء کو انہوں نے دستور ساز اسمبلی میں قرارداد

مقاصد پیش کی۔ اس موقع پر انہوں نے فرمایا:

"میں آج کے دن کو اس ملک کا اہم ترین دن سمجھتا ہوں۔

قرارداد مقاصد کا آغاز قائد اعظم محمد علی جناح کی خواہشوں کے عین

مطابق ہے۔ اس میں اعتراف کیا گیا ہے کہ تمام حاکمیت، حکومت

خدا تعالیٰ کے تابع ہے۔ یہ ایک مقدس امانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے

انہیں عطا کی ہے، تاکہ ہم اس کے بندوں کی خدمت کریں۔"

انہوں نے اپنے دور میں امریکا کا دورہ بھی کیا اور وہاں بھی

پاکستان کے موقف کو واضح کیا۔

پھر وہ دن بھی آ پہنچا جب سازشوں نے زور پکڑا۔ وہ راول پنڈی

کے مشہور کونسل باغ میں جلسے سے خطاب کے لیے پہنچے۔ اس دن

16 اکتوبر 1951ء کی تاریخ تھی۔ اجلاس کا آغاز ہوا۔ کچھ دیر بعد

لیاقت علی خان کو قہریر کے لیے بلایا گیا۔ انہیں انہوں نے ڈانس پر آ

کر "ہر روز ان ملت" کے الفاظ سنیں اور انہوں نے ان پر دو گولیاں

چلیں اور وہ اپنے سیکرٹری کو اب سید علی خان کے ہاتھوں میں

جھول گئے۔ ان کے زانوں پر ان کا سر تھا اور انہوں نے ان الفاظ

کے ساتھ ہی آخری سانس لی۔ "خدا پاکستان کی حفاظت کرے۔"

ان کا قاتل سید اکبر بتایا جاتا ہے جسے موقع پر ہی پھانسی کر دیا

گیا۔ شہادت کے بعد قوم نے لیاقت علی خان کو "شہید ملت" کا

خطاب دیا۔ ان کی خدمات اور قوم سے محبت کے سبب کئی اداروں

اور تنظیموں کا نام ان کے نام پر رکھا گیا۔ کبھی باغ، راول پنڈی کو

اب لیاقت باغ اور کراچی کے لالہ کھیت کا نیا نام لیاقت آباد ہے۔

جام شہزاد شاہ جہاں ٹائٹل میڈیکل یونیورسٹی ان کے نام پر ہے۔ اس

کے علاوہ لیاقت نیشنل لائبریری کراچی اور لیاقت نیشنل انسٹیٹیوٹ

راول پنڈی بھی ان کے نام پر ہی ہیں۔



نگاہِ شوق نوازے تو کوئی بات نہیں
خوشی میں عید کی نظرِ خلوص لایا ہوں
(نجم السحر، ملک دال)

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہیں جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا
(عائشہ صدیقہ، فیصل آباد)

غضب کی نظر سے نہ دیکھو مجھے اسے دوزخ
پیدا رحیم ہے وہ جس کی گنہگار ہوں میں
☆

ہیں بے شمار آج بھی بوزن امام جی ان گنت ہیں لیکن
انام کوئی رسول جیسا ہوا جیسی ازاں نہیں
(بھری حسینی، کابل روت)

اسے قلم رک جا تیرے رگنے کا مقام آیا
تیری نوک کے چھپ چھپ کا نام آیا
(مریم ناز، لاہور)

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ اطاعت کے لیے کچھ نہ تھے کردِ بیاں
(نسرہ امین، لاہور)

شاہیں کبھی پرہاز سے تھک کر نہیں گرتا
بڑے دم ہے اگر تو نہیں خطرہ افتاد
(مائد غنیف، بہاول پور)

فلک سے چاند ستاروں کا قافلہ بھی گیا
سحر ہوئی تو خوابوں کا سلسلہ بھی گیا
انہی اداس فضاؤں سے دوق کر لو
کہ اب تو ایٹ کے جانے کا مرحلہ بھی ختم
(شبِ بخت، لاہور)

دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا
یہ تیری یاد تھی اب یاد آیا
(حافظ تاملہ کرن، رجم بارخان)

وہ کون سا عقدہ ہے جو وہ نہیں سکتا
ہمت کرے انسان تو کیا وہ نہیں سکتا
(سیدہ توقیر، ٹولین)

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر
☆

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، نام دیدارِ نور کا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہو گا
(محمد احمد خان غوری، جوہیہ غوری، بہاول پور)

فسادِ قلب و نظر سے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مذہبیت کی روح نہ سکی عقیف
(فرحین بی بی خان، صوابی)

پھلے ہوئے ہاتھوں کو، خنارت سے نہ دیکھو
ہر شخص کی چونک پہ گداگر نہیں ہوتے
☆

ابھی آتی ہے مجھے حضرتِ انسان پر
خمناء کرتا ہے خوب لعنت بھیجتا ہے شیطان پر
(امداد الرحمن، سرگودھا)

تو نے یہ کیا غضب کیا! مجھ کو بھی ناشِ بکر بھیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینہ کائنات میں!
(عزرا-مدینہ، جوہر آباد)

انہوں نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے لوحِ انسان کو
اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں پر جا
(میک خالد شیخ، عائشہ خالد شیخ، لاہور)

کھوج لگا ہے!

بہارے پچا ستمبر 2016 اور 500 روپے کی کتابوں کا انعام پائیں!



سعدیہ بشیر ایک امیر لیکن بے انتہا کجس عورت تھی۔ گھر میں خانساہ، چوکی دار اور مالی وغیرہ مختلف کاموں کے لیے ملازم تھے۔ سعدیہ بشیر اکثر اپنے ملازموں کو تنخواہیں دینے کے معاملے میں بہت دیر کر دیتی تھی اور اس کا ان سے رویہ بھی بہت غیر مناسب ہوتا تھا۔ اس کا ملازم مالی اکثر اپنی بیوی کے ساتھ لان کی صفائی کیا کرتا تھا کیوں کہ مالی کی بیوی جب بھی کام سے فارغ ہوتی، اپنے خاوند مالی کی لان کی صفائی میں مدد بھی کرتی تھی۔ سعدیہ بشیر کی مالی کی بیوی سے ہمیشہ اُن بن رہتی تھی۔ پیارے پچو! سعدیہ بشیر دیکھنے کو لالچی کا سبارا لے کر چلتی تھی۔ ایک دن پتا چلا کہ سعدیہ بشیر کی ملازمہ قتل ہو گئی ہے۔ قتل لان میں ہوا تھا اور لان کی جگہ گیلی تھی۔ پولیس نے تفتیش شروع کی تو وہ ان تفتیش سعدیہ بشیر نے بیان دیا کہ وہ لان کی طرف کافی دنوں سے نہیں گئی۔ پولیس نے جائے وقوعہ کا معائنہ کیا اور فوراً قاتل کا سراغ لگا لیا۔ تصویر کو غور سے دیکھ کر بتائیں کہ پولیس کو قاتل اور اس بات کا کیسے پتا چلا کہ وہ لنگڑا نے کا ڈرامہ کر رہی ہے؟



پیارے پچو! ستمبر 2016 کے کھوج لگائے کا جواب یہ ہے: سائنس دان کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں، وہ خودکشی نہیں کر سکتا۔ قاتل نے اسے قتل کرنے کے بعد اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر خودکشی کا ڈرامہ رچایا ہے۔ اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے 5 ساتھیوں کو ہدیہ قرعہ اندازی انعامات دیئے جا رہے ہیں۔

3- علی شیر، کھڑیاں خاص

2- طاہرہ فاروق، راول پنڈی

1- ارحم فرید، فیصل آباد

5- اقصیٰ نور، گوجرانوالہ

4- محمد ابرار، شیخوپورہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

2016

تاریخ

36

شیخ محمد حسناٹ حمید



مارخور پاکستان کا قومی جانور

والا جانور ہے اور زیادہ تر صبح سویرے یا سہ پہر کے وقت نظر آتا ہے۔ ان کی خوراک موسم کے ساتھ تبدیل ہوتی ہے۔ موسم گرما اور موسم بہار میں مارخور گھاس چرتے ہیں جب کہ سردیوں میں درختوں کے پتے کھاتے ہیں۔ مارخور بوز کی شکل میں رہتے ہیں جس کی تعداد نو تک ہوتی ہے۔ بوز میں بالغ مادریں اور ان کے بچے شامل ہوتے ہیں۔ بالغ زعموؤں اکیلے رہنا پسند کرتے ہیں۔ موسم سرما کے اوائل میں مار اور ایک ساتھ کھلے گھاس کے میدانوں میں پائے جاتے ہیں جب کہ گرمیوں میں زچٹھوں میں رہتے ہیں اور ماہائیں پتھریلی چٹانوں پر چڑھ جاتی ہیں۔

مارخور ان 72 جانوروں میں شامل ہے جن کی تصادیر عالمی تنظیم برائے جنگلی حیات (WWF) کے 1976ء میں جاری کردہ خصوصی سکے جات کے مجموعے میں ہیں۔

مارخور کا قد زمین سے کندھوں تک 115 تا 65 سینٹی میٹر، لمبائی 132 تا 186 سینٹی میٹر اور وزن 32 تا 110 کلو گرام تک ہوتا ہے۔ مارخور کا رنگ سیاہی مائل بھورا ہوتا ہے اور ناگوں کے نیچلے حصے پر سیاہ بال ہوتے ہیں۔ مارخور کی ٹھوڑی، گردن، سینے اور ٹانگوں پر مادہ کے مقابلے میں زیادہ لمبے بال ہوتے ہیں۔

مارخور پاکستان کا قومی جانور ہے۔ اس کا سائنسی نام کاپرا فالکونین (Capra Falconen) ہے اور اسے اقوام متحدہ نے نایاب جانور (Endangered Species) قرار دے رکھا ہے کیوں کہ اس وقت دنیا میں صرف دو ہزار سے چار ہزار مارخور موجود ہیں۔ اگر دنیا اور خاص کر پاکستان نے اس کے تحفظ کے لیے کچھ نہ کیا تو یہ صرف تصاویر میں رہ جائے گا۔ مارخور ناریسی زبان کے حروف مار اور خور سے لیا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے سانپوں کو کھانے والا۔ عام خیال کیا جاتا ہے کہ بکرے سے ملتا جلتا یہ جانور سانپ بھی کھا جاتا ہے۔ عربی میں اس کو ”منہم“ انگریزی میں ”دائلڈ گوت“ اور تھگو میں ”ابو میکا“ کہتے ہیں۔

پاکستان میں گلگت، بلتستان، چترال، وادی کالاش اور وادی بنزد سیت دیگر شمالی علاقوں کے علاوہ وادی نیلم کے بالائی علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مارخور بھارت، افغانستان، ازبکستان، تاجکستان اور کشمیر کے کچھ علاقوں میں بھی پایا جاتا ہے۔

مارخور ان بلند پہاڑی سلسلوں میں ملتا ہے جہاں ہندی چھ سو سے چھتیس سو تک ہوتی ہے۔ عام طور پر شاہ بلوط، صنوبر اور فران کے جھاز زدہ جنگلوں میں رہتے ہیں۔ مارخور دن میں چرنے پھرنے

ہے۔ اس پتھر کو منکا کہتے ہیں جو مارخور کے منہ سے گر جاتا ہے۔ جوگی (سانپ کے شکاری) اس سنگ کو سانپ کے کانٹے کے علاج کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

مارخور پہاڑی بکری کی ایک نایاب نر ہے۔ اس جانور کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ اس کا ذکر نہ صرف تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے بلکہ مذہبی کتابوں میں بھی بہت صراحت کے ساتھ اس جانور کا ذکر آیا ہے۔ جیسے بائبل میں دوسرے حلال جانوروں کے ساتھ بکری بھی شامل ہے۔ قرآن حکیم میں سورہ انعام میں بکری کا ذکر موجود ہے۔

ان کی غذا بری گھاس، درختوں کے پتے، ٹکڑے، جھوہ، ٹیم اور بیر ہیں۔ ثقیل غذا بھی آسانی سے ہضم کر لیتے ہیں کیوں کہ ان کے شکم کی ساخت مرکب ہوتی ہے جو چار خانوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ شکم کا پہلا خانہ "رومن" دوسرا خانہ "ریٹی کولم" تیسرا "او میزیم" اور چوتھا خانہ "ایو میزیم" کہلاتا ہے۔ پہلے خانے میں غلات میں اگائی ہوئی غذا اور دوسرے خانے میں پانی کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ جب مارخور پوری طرح غذا کھا چکے ہوتے ہیں۔ تب دباؤ خانے متحرک ہو کر پھیلنے لگتا ہے۔ جو غذا ہضم نہیں ہونے پاتی دوبارہ منہ میں آتی ہے۔ پھر یہ غذا چبائی جاتی ہے اور یہ نرم نوالہ بن کر تیسرے خانے میں پہنچ کر باریک ہو جاتی ہے۔ پھر چوتھے خانے میں جا کر "باضمی رسوں" کی مدد سے ہضم ہو جاتی ہے۔ اس عمل کو "جکائی کرنا" کہتے ہیں۔

مارخور چٹانوں کی دراڑوں اور ان کے دھلاؤں پر زندگی گزارتے ہیں۔ پہاڑوں کے خشک دھلاؤں پر بھی اپنے قدم مضبوطی سے جھاتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بلطف دشوار کن راستہ اور دوسری طرف گہری کھائی ہوتی ہے۔ وہ ایسے پرخطر راستوں کو بھی بے خوف و خطر پار کر لیتے ہیں۔

مارخور پہاڑوں کی چوٹیوں پر پورا سال جیسوئے جیسوئے گروہوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ ہر ایک گروہ کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ گروہ میں سارے کے سارے نر مارخور ہوتے ہیں یا سب مادائیں ہوتی ہیں۔ مادہ مارخور عام طور سے مارچ یا اپریل کے اوائل میں دو تا تین بچوں کو جنم دیتی ہے۔ بچوں کی پیدائش کے بعد مادہ مارخور اپنے گروہ سے علیحدہ ہو جاتی ہے اور اپنے بچوں کو چلنے پھرنے اور بچنے بچنے کے سکھاتی ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر 15)

مادہ کا رنگ سرخی مائل ہوتا ہے۔ جسم اور ٹھوڑی کے بال چھوٹے ہوتے ہیں جب کہ گردن پر بال نہیں ہوتے۔ نر اور مادہ دونوں کے سینک ملی دار ہوتے ہیں جو سر کے قریب بالکل ساتھ ساتھ جب کہ اوپر کی طرف بڑھتے ہوئے الگ ہو جاتے ہیں۔ نر کے سینک 160 سینٹی میٹر اور مادہ کے سینک 25 سینٹی میٹر تک ہو سکتے ہیں۔ اس کی ذم 8 سے 20 سینٹی میٹر لمبی ہوتی ہے۔

اب تک مارخور کی تین اقسام عالمی طور پر تسلیم کی جاتی ہیں۔ استور مارخور، کشمیری مارخور اور پیر پخال مارخور سے ملتا جلتا جانور ہے۔ اس کے سینک بڑے اور چپے ہوتے ہیں جو تقریباً سیدھے ہوتے ہیں۔ افغانستان میں یہ لغمان اور نورستان کے سون سون جنگلات میں پایا جاتا ہے۔ بھارت میں پیر پخال پہاڑی سلسلے اور جموں و کشمیر کی متنازعہ سرحد پر پایا جاتا ہے۔ داؤی جہلم کے جنگلات میں اس کے پائے جانے کے شواہد ملے ہیں۔

اٹھارائی مارخور کی یہ قسم بالائی آسودریا اور پیر پخال دریا کے شمالی کناروں واقع جنگلات میں پائی جاتی ہے جو ترکمانستان سے تاجکستان تک پھیلے ہوئے تھے، تاہم اب ان کی دو یا تین آبادیاں سب سے کم رقبے میں موجود ہیں۔ افغانستان اور تاجکستان کے پاس ان کے پائے جانے کے امکانات موجود ہیں۔

کابلی مارخور کے سینک ملی دریا اور مڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ 1978ء تک کابلی مارخور صرف افغانستان میں کابل کے پہاڑی سلسلوں کوہ صافی اور ان کے درمیان موجود تھے۔ کثیر تعداد میں شکار کی وجہ سے اب یہ صوبہ کابل کے انتہائی ذور دراز اور پھرائی علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ پاکستان میں ان کی آبادی بلوچستان کے ذور دراز مقامات صوبہ خیبر پختونخوا اور پنجاب میں ابرہ غازی خان کے علاقوں میں پائی جاتی ہے۔ خیبر پختونخوا کے محکمہ جنگلات کے مطابق مردان اور شیخ بدین کے علاقوں میں ان کی آبادی موجود ہے۔ سفید کوہ کے پاکستانی حصے (کرم اور خیبر ایجنسی) میں کم از کم 100 کے قریب مارخور موجود ہیں۔

برصغیر میں مارخور سے یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ مارخور کا منکا سانپ کا زہر چوسنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ بنگالی کے دوران اس کے منہ میں جھاگ پیدا ہوتی ہے جو زمین پر گرنے کے بعد سیاہ رنگ کی ایک پانیسی سیل قطر کے سخت پتھر میں تبدیل ہو جاتی

(عبدالقیس، لاہور)

حسد: "مجھے نظر نہیں آیا تھا۔"

ایک دن استاد نے لڑکوں سے پوچھا کہ تم میں سے کون بہشت میں جانا چاہتا ہے۔ سب لڑکوں نے ہاتھ کھڑے کر دیے لیکن اکمل چپ رہا۔ استاد نے جب پوچھی تو اس نے جواب دیا: "میری ماں نے کہا ہے کہ اسکول سے سیدھے گھر آیا کرو۔" (نبیلہ اشرف، ایب)

ایک شخص اپنے دوست کا حال پوچھنے گیا۔ پیار دوست نے کہا: "بخار تو ٹوٹ گیا ہے لیکن کمر میں درو ہے۔"

دوست نے کہا: "خدا کے حکم سے کمر بھی ٹوٹ جائے گی۔"

(اسلم جاوید خان، کوہاٹ)

ای: "ساجدہ! یہ سنے کے منہ میں کپڑا تم نے ٹھونسا ہے؟"

ساجدہ: "ہاں ای! تم ہی نے تو کہا تھا کہ جا کر سنے کو چپ کرادو۔"

(شاہد اقبال، شیخوپورہ)

طالب علم (استاد سے): "جناب آپ نے بغیر آفتیش کے مجھ پر چربی کا الزام لگایا ہے۔ مجھے وہ الفاظ نہیں مل رہے جن سے میں رنج کا اظہار کر سکوں۔"

استاد: "تمہیں تو صرف الفاظ نہیں مل رہے، مجھے تو مذاق، سٹیک اور اپنا قلم نہیں مل رہا۔"

(امان اصغر، لاہور)

معاوی صاحب (لڑکے سے): "خوت کے بعد فرشتے قبر میں آکر سوال کرتے ہیں۔ جو شخص ان کے سوالوں کا جواب نہیں دے پاتا، وہ اس کے گرز مارتے ہیں۔"

لڑکا: "تو جناب! میں مرنے کے بعد آپ کی قبر میں بنوں گا۔"

معاوی صاحب (آج سے): "یہ کیوں؟"

لڑکا: "جناب! جس سوال کا جواب مجھے نہیں آئے گا، وہ میں آپ سے پوچھ کر بتا دوں گا۔"

(انصر عباس، سیال کوٹ)

جسمزیت (ملزم سے): "تمہاری عمر کیا ہے؟"

ملزم: "مجھے معلوم نہیں حضور!"

جسمزیت: "تمہاری تاریخ پیدائش؟"

ملزم (حیرانی سے): "میرنی سال گرو منائیں گے کیا؟" (شاہد اکرم، کاموکی)

ناول کے ایک شوقین شوہر کی بیوی نے کہا: "کیا حق اچھا ہوتا جو میں ناول دیتی اور ہر دم آپ کی نظروں کے سامنے رہتی۔"

شوہر نے جل کر جواب دیا: "نہیں! اگر تم ناول کی بجائے جنتری ہوتیں تو بہتر ہوتا تاکہ میں تمہیں ہر سال بدل دیا کرتا۔" (شاہد زب خان، راول پندی)

مسکرائیے



فاطمہ: "میرے بھائی کا کوئی بھی ہال پکا نہیں کر سکتا۔"

برائش: "کیوں؟ کیا وہ بہت طاقتور ہیں؟"

فاطمہ: "جی نہیں، وہ مجھے ہیں۔"

سزل: "ارے بھیا! اس تو پھینکوا، جی جلا لوں۔ اندھیرا ہے۔"

اکرم: "لو بھئی! آتی ہے۔"

سزل: "ارے، کہاں پھینک دی؟"

آرے: "جی جلا کر دیکھ لو۔"

استاد: "لڑکی کی لڑکی کو کیا بتے ہیں؟"

شاگرد: "لڑکی؟"

استاد: "ذرا سچے تو کرو۔"

شاگرد: "اکاتی، بیاتی، تڑاتی، پیراتی، چھاتی، مٹاتی، اٹھاتی، نواتی۔"

(بابیہ اقبال، ٹوبہ خانہ لاہور)

ایک عورت نے دس روپے کا پٹکٹا خرید لیا۔ پٹکٹا ٹوٹنے پر بعد ٹوٹ گیا۔ وہ دکان دار کے پاس رنی لڑھکی، یہ کیسا پٹکٹا دیا تھا، وہ منہ میں ٹوٹ گیا۔

دکان دار نے پوچھا: "آپ نے اسے کیسے استعمال کیا تھا؟"

عورت بولی: "میں نے اسے منہ پر کسے ماسٹہ کر کے ہلا دیا تھا۔"

دکان دار بولا: "اوہو! منہ کسے ماسٹہ ہلانے واسطے پٹکٹے کی قیمت پانچ سو روپے ہے۔ اس روپے کے پٹکٹے کے استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ اسے منہ کے سامنے کھرا کر دو اور منہ کو زور زور سے ہلاؤ۔"

(اکملہ مجید، لاہور)

وقار: "ارے سعد! یہ پیر میں تمہارے چوت کیسے لگ گئی؟"

سعد: "وہ جو سامنے چتر پڑا ہے، تمہیں نظر آ رہا ہے؟"

وقار: "ہاں! ہاں! ہاں!"

فرد حسانت حمید



حیاتا ویسا ہے جو دوسروں کے لیے بیو

سے مول کر بیخ کے اطراف چکر لگاتی۔ پانچ سال کی عمر میں اسے بتایا گیا، جو کپڑے بدل کر آئیں انہیں کیسے تہہ کرنا ہے۔ اس کی موت اس اتنی ترقی کر گئی کہ وہ خود اپنے کپڑوں اور دوسروں کے کپڑوں میں قمیز کر لیتی۔ وہ کئی گھنٹے حبشی باورچی کی ننھی بچی مارتھا واشٹلن کے ساتھ گزارتی اور نیل جو ان کا بچہ لانا کرتا تھا، ان دونوں بچیوں کو بچی لمبی گھاس میں مرغی کے اندازے تلاش کرنے میں مدد دیتا۔

ہیلن کی ماں اپنی بچی کو معذرتی کے باعث بہت افسردہ رہتی۔ جب ہیلن چھ سال کی ہوئی تو اس کے والدین اسے بالٹی شور کے ایک ڈاکٹر کے پاس لے گئے مگر وہ ان کی مدد نہ کر سکا۔ پھر بھی والدین نے ہمت نہ ہاری اور اس کی سفارش پر واشٹلن لاکے ڈاکٹر گراہم نیل کے پاس لے گئے۔ ڈاکٹر نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ فوراً ہوسٹن میں ناپینا ہاؤس کے پرکس انسٹیٹیوٹ کو خط لکھ کر ہیلن کے لیے ایک آستانی کو بلا لیں۔ آخر والدین کو اطمینان ہوا کہ ان کی مشکلیں کچھ تو حل ہوئیں گی کہ بہت جلد این مینس فیلڈ سلی ون آ گئی اور ہیلن کو تعلیم دینے لگی۔ مس سلی ون بڑی غیر معمولی صلاحیت کی مالک تھیں جو ان کو درست تھی۔ چودہ سال کی عمر میں جب وہ پرکس انسٹیٹیوٹ آئی تو قریب قریب اندھی تھی۔ اس کے بعد ایک حد تک اس کی بینائی درست ہو گئی۔ جب وہ سند لے چکی تو اس نے قریب قریب کر لیا کہ "میں نے اس کی خدمت میں بسر کرے

ہیلن کیلر جو ناپینا ہونے کے باوجود امریکہ کی باہمت خواتین کی نمایاں مثال سمجھی جاتی ہے، امریکا کی ریاست الاباما کے چھوٹے قصبے ٹس کمپیا میں 27 جون 1880ء کو پیدا ہوئی۔ ہیلن کیلر کے پہلے پانچ سال بیلوں سے گزارے گئے۔ مکان میں بسر ہوئے۔ یہ مکان، بیلوں والا مکان کہلاتا تھا۔ مکان کے چاروں طرف پانچ میں گلاب اور خوشبودار پھولوں کے پودے تھے۔ ہیلن دوسرے بچوں کی طرح ایک سال کی عمر میں چل لیتی اور کچھ الفاظ بول لیتی تھی۔ اس کے والدین اسے دیکھ کر خوش ہوتے کیوں کہ وہ بچپن سے چلبلی اور شوخ تھی لیکن جب وہ انیس ماہ کی ہوئی اس پر ایک مرض کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے اس کا دماغ ماؤف ہو گیا۔ وہ اچھی تو ہو گئی لیکن اس کا بڑا نقصان یہ ہوا کہ وہ ہمیشہ کے لیے اندھی ہو گئی۔ اس حالت میں وہ کچھ سن نہیں سکتی تھی۔ چند الفاظ جو بولنے لگی تھی، وہ بھی بھول گئی اور اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ اپنی آواز سے کوئی کام بھی لیا جاسکتا ہے۔ یہ عجیب و غریب تاریکی اور خاموشی اس ننھی بچی کو ہراساں کیے رہتی، کیوں کہ وہ اتنی چھوٹی تھی کہ اپنی بیماری کو نہ سمجھ سکتی تھی۔

شروع شروع میں تو وہ بہت ادا تھی لیکن وہ اپنے ہاتھ سے نول کر اور سونگھ کر دنیا کی دوسری اشیاء کو سمجھنے لگی۔ وہ چینیلی کی خوشبو سے اس کے پھولوں کو پہچان لیتی، وہ ہانسی کی ہمار کو خوب سمجھتی تھی۔

گی جو اتنی کی طرح مصیبت میں مبتلا ہیں۔

ہیلن کی زندگی میں دو دن بڑا اہم تھا جب یہ بیس سالہ آسٹانی آئی اور بڑے صبر و استقلال سے اس ننھی بچی کو تعلیم دینا شروع کی۔ بریل (انگریزی ہونے والی الفاظ) پر چھپسی ہوئی کتابوں متبادا کس گئیں اور اس کی تعلیم کا دوسرا دور شروع ہو گیا۔ اس دور میں بھی ہیلن بڑی ہوشیار اور محنتی شاگرد ثابت ہوئی اور بڑی آسانی اور جوش سے اس نے انگریزی، دوئی تحریروں کی پڑھنا شروع کیا۔ جیسے ہی اسے پڑھنا لکھنا آ گیا، اس نے خط لکھنا شروع کر دیا۔

1890ء میں ہیلن دس سال کی تھی کہ اس نے ایک لڑکی کے متعلق سنا کہ وہ بہری ہے اور اس نے بات کرنا سیکھ لیا ہے۔ لوگوں کے بچوں کے بلنے کو محسوس کر کے اسے معلوم ہو چکا تھا کہ سب لوگ ایک دوسرے سے محض نشانیوں کے ذریعے خطاب نہیں کرتے۔ اس نے جوش و خروش سے بات چیت کرنا سیکھنے کی کوشش کی اور اس وقت تک چین نہ لیا، جب تک اس کی آسٹانی اسے سارا فلفل کے پاس نہ لے گئی۔ وہ بہروں کے اسکول کی وائس پرنسپل تھی۔ اس نے بڑی خوشی سے اس پڑ جو شاگرد کو اپنے اسکول میں داخل کر لیا۔ اس فلفل نے آوازیں سیکھانے کے لیے اسے اپنی زبان پر انگلی رکھ کر یہ بتانے کی کوشش کی کہ کسی حرف کو ادا کرتے وقت زبان منہ میں کس کس مقام پر ہوتی ہے۔ ہیلن مسلسل کوشش کرتی رہتی اور ہر کسی سے جو اس کی باتیں سنتا باتیں کرنے کی کوشش کرتی۔ رفتہ رفتہ اسے آوازیں پر عبور حاصل ہو گیا۔ ہیلن جان چکی تھی کہ اب اس کی باتیں کرنے کی خواہش بڑی ہو کر رہے گی۔ گیارہ ہفتوں میں مس فلفل کا کام مکمل ہو گیا اور ہیلن بولنے لگی۔ اس کی ماں سمجھا کہ اب اس کی زبان سے کچھ نکلے گی۔ اس کا باپ بھی بہت متاثر ہوا اور خیر و محبت کے عالم میں اس کی زبان سے بات نہ نکلتی تھی۔

1893ء میں ہیلن کی بارہویں سالگرہ کے بعد دو اہم واقعات پیش آئے جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کی شخصیت کا رجحان کس طرف ہے۔ پہلے تو سبیلوں کی بہت افزائی کے باعث اس نے بوسطن میں ایک چائے کی دعوت دی تاکہ ایک اور نابینا لڑکی کے لیے چندہ جمع کرے جو خود اتنی غریب تھی کہ اپنی تعلیم کے اشیاء جات برداشت نہ کر سکتی تھی۔ اس دعوت میں اس نے دو ہزار ڈالر جمع کیے تاکہ بچوں کے لیے کنڈرگارٹن اسکول کھولا جائے۔ زندگی کی چٹنگی کے دور میں ہیلن کیلئے بہت سے فیاضی اور دماغ عام

کے کام کیے اور پڑھنے والوں نے آگے چل کر اس کی اور بھی بہت سی کتابیں پڑھیں جن سے اس کے شاعرانہ اظہار کی خوبیاں معلوم ہوتی ہیں۔ اس اثنا میں ہیلن، راسٹ جاسن اسکول میں جو بہروں کے لیے تھا، تعلیم حاصل کر رہی تھی۔ یہاں اس نے غیر معمولی تیزی اور سرگرمی سے فرانسیسی اور لاطینی زبانوں پر عبور حاصل کر لیا۔

ہیلن کیلئے اکتوبر 1896ء میں کیمرج اسکول میں داخلے کے لیے تیاری کر رہی تھی۔ یہاں سے وہ ریڈ کلف کالج منتقل ہونا چاہتی تھی۔ یہ ٹاؤن اسکول ہیلن کے لیے زیادہ مشکل تھا کیوں کہ جن کتابوں کی ضرورت تھی، ان میں بہت کم بریل میں دستیاب ہو سکتی تھیں لیکن اس کی کوششوں کی وجہ سے اس کی آستینیاں بہت متاثر ہوئیں۔ آستینیاں جو پڑھاتیں، اس کا خلاصہ مس سلی دن اب کی ہتھیلی پر لکھتی جاتی۔ روزمرہ کی مشق اور امتحان کے لیے وہ ٹائپ رائٹر سے کام لیتی۔ 1900ء میں مس کیلر نے لاطینی، یونانی، جرمن، اطالوی اور جیوگری کے امتحانات پاس کیے اور ریڈ کلف کالج میں داخل ہوئی۔ ریڈ کلف کالج کی زندگی اس کے لیے بڑا بیش بہا تجربہ ثابت ہوئی۔ یہاں ہیلن کیلر نے علم حاصل کیا اور محنت کر کے لکھنے کی صلاحیت پیدا کی۔ نابینائی کی حالت میں مستقل مزاج رہنا اس کا شیوہ تھا۔ کالج سے دیپلومہ حاصل کرنے کے بعد مس کیلر کی رہی تعلیم ختم ہوئی مگر اس کی حقیقی تعلیم کا سلسلہ ختم نہ ہوا۔ وہ بہترین انگریزی، فرانسیسی اور جرمن ادب پڑھتی رہی، اور نئے جوش و خروش سے لکھتی رہی۔ اس کا بہت بڑا وقت ان لوگوں کی خدمت میں صرف ہوتا جنہیں مدد کی ضرورت تھی۔ اس کی زیادہ کوششیں اپنی ہی طرف تھیں۔ دوسرے بد نصیبوں یعنی اندھوں کی مدد کے لیے وقف تھیں اور ان کی بڑی جانباز ساتھی تھی۔ مس کیلر اندھوں کی امداد کے لیے زیادہ تر پرچار اپنی تحریروں کے ذریعے کرتی۔ گویا اس امر کا ثبوت دیتی کہ باقاعدہ طریقہ سے نابیناؤں کی رہنمائی کی جائے تو وہ قابل عزت، کارآمد اور اپنا بوجھ سنبھالنے والے شہری بن سکتے ہیں۔ اس کی شہرت کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ بڑھتا گیا۔ اس کے پاس نیکلاس، ایریزونا، جنوبی افریقہ، سوڈان، متحدہ ہندوستان، جرمنی، انگلستان اور چین سے درخواستیں اور شکریے کے خطوط آتے۔ کوئی اس کی کتابوں کا ترجمہ کرنے کی اجازت طلب کرتا۔ کوئی کارہائے خیر میں اس کی مدد مانگتا، کوئی اس کی بہت افزائی اور دور اندیشی کا شکریہ ادا کرتا۔ نابینا افراد اس سے ہمدردانہ مشورہ مانگتے، وہ ہمیشہ ہر خط کا جواب دیتی۔ (بقیہ صفحہ نمبر 46)



ہم سردی لگنے سے کانپتے کیوں ہیں؟

گرم ہونے سے بچاتا ہے۔ اگر حرارت زیادہ ہو جائے تو یہ سوچ فوراً اوپر ہو جاتا ہے۔ اس سے جلد کی طرف خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے اور پسینا آنے لگتا ہے۔ پسینے سے حرارت کم ہو جاتی ہے اور ہمارا جسم ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد سوچ اوپر ہو جاتا ہے اور پسینا بند ہو جاتا ہے۔

یہ سوچ تھرمو اسٹیٹ آلے کی طرح ہوتے ہیں۔ یہ آلودہ حرارت کو باقاعدہ رکھتا ہے۔ جب تک ہم تندرست رہیں ہمارا درجہ حرارت ایک ہی درجے پر رہتا ہے۔ بیمار ہو جائیں تو تھرمو اسٹیٹ میں بھی گڑبڑ ہو جاتی ہے اور ہمیں بخار ہو جاتا ہے۔ انسان کا تعلق جانوروں کے اس گروہ سے ہے جن کا خون گرم ہوتا ہے۔ بلیاں، کتے اور وہ تمام جانور جو بچوں کو دودھ پلاتے ہیں، اسی گروہ سے ہیں۔ پرندوں کا بھی خون گرم ہوتا ہے۔ سانپ، مینڈک، مچھلیاں اور چھپکلیاں سرد خون کے گروہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان جانوروں میں اس قسم کے سوچ اور تھرمو اسٹیٹ نہیں ہوتے جن سے ان کا جسم گرم رہے۔ اگر باہر کا ماحول گرم ہوگا تو ان کے جسم گرم رہیں گے۔ سرد ہوگا تو ٹھنڈے ہو جائیں گے۔

☆☆☆

جب ہمیں سردی لگتی ہے تو ہم کانپنے لگتے ہیں۔ کانپنے سے ہمارے پٹھے حرکت کرتے ہیں اور اس حرکت سے ہمارا جسم گرم ہو جاتا ہے۔ اس طرح قدرت ہمیں سردی سے محفوظ رکھتی ہے۔

کانپنا ایک قسم کی ورزش ہے اور ہم بغیر سوچے سمجھے یہ ورزش کرتے ہیں۔ اس ورزش کے وقت ہمارے جسم میں ایک خاص تبدیلی ہوتی ہے۔ جلد کے نیچے رگوں اور نسیں میں جو گرم خون گردش کر رہا ہوتا ہے، اس کی رفتار بہت مدہم پڑ جاتی ہے۔ بہت سا خون جسم کے پچھلے حصوں میں ٹھہر جاتا ہے اور وہاں دل، جگر اور دوسرے ضروری اعضا کو گرمائے رکھتا ہے۔ اگرچہ کانپتے وقت ہم سردی محسوس کرتے ہیں لیکن ہمارے جسم کے یہ اعضا گرم رہتے ہیں اور انہیں سردی سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں کون سی چیز کانپنے پر مجبور کرتی ہے۔ کیا ہمارے جسم میں کوئی ایسا سوچ ہے جسے نیچے کر دیں تو ہم پر کپکپاہٹ طاری ہو جائے اور اوپر کر دیں تو کپکپاہٹ بند ہو جائے۔ تجربوں سے معلوم ہوا ہے کہ دماغ میں ایک ایسی جگہ ہے جو بالکل سوچ کا کام کرتی ہے۔

دماغ کے اسی حصے میں ایک سوچ ہوتا ہے جو جسم کو زیادہ

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابرار	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	ممتاز مفتی
نگہت عبد اللہ	سباس گل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایم اے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، ردا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سپنس ڈائجسٹ، جاسوسی ڈائجسٹ،
سرگزشت ڈائجسٹ، نئے افق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،
جاسوسی دنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

احمد عدنان طارق



بھوت

کہ یہ بھوت ایک بچے کی شکل میں ہوتا ہے۔ "معاذ منہ ہی منہ میں بڑ بڑایا۔ "شام کے گلیچے کا بھوت۔" تبھی اسے محسوس ہوا جیسے کوئی بہت ہی ٹھنڈی سانس اس کی گردن کے عقب سے ٹکرائی ہے اور ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے اس کے کانوں میں سرگوشی کی ہے۔ اب معاذ دوڑتا ہوا آسپی مکان کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے جان بوجھ کر یہ وقت چننا تھا۔ اس وقت اتنا اندھیرا نہیں تھا کہ گھر میں اس کی والدہ اس کے نہ آنے پر نگریند ہو اور نہ اتنی روشنی تھی کہ شرمیلا بھوت آسپی مکان سے باہر ہی نہ نکلے۔

معاذ پھر بڑ بڑایا۔ "میں صرف آسپی مکان کے ارد گرد ایک چکر لگاؤں گا۔ وہ ایک دفعہ پھر ہوا میں اچھلا۔ یوں محسوس ہوا کہ جیسے ڈر کسی بیمار، پیلی آنکھوں والے کتے کی طرح اس سے چٹ گیا ہو۔ پھر اس نے سوچا کہ اگر وہ ڈر کر واپس چلا گیا تو یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ وہ ڈر پوک ہے۔ اس نے ٹھان لیا کہ وہ بھوت کو دیکھ کر ہی جائے گا۔ اگرچہ وہ اس گلی سے متعدد بار گزر چکا تھا لیکن پھر بھی تھوڑا اندھیرا ہونے کی وجہ سے اس گلی کا تاثر یکسر تبدیل ہو چکا تھا۔ اب یہ گلی زیادہ وسیع و عریض محسوس ہو رہی تھی اور اس گلی کے آخر میں آسیب زدہ مکان معاذ کا منتظر تھا۔ معاذ آسانی سے اس تباہ حال مکان کے بیرونی دروازے اور باہر لگی بازو کو دیکھ سکتا تھا۔

معاذ تیزی سے فٹ پاتھ کے کنارے کنارے یوں جا رہا تھا جیسے اس کے پیروں میں بجلی بھری ہو۔ دوڑتے ہوئے کبھی وہ دائیں بازو ہوا میں پھیلا کر چٹانگ بھی لگا دیتا اور ایسے لگتا جیسے کوئی پندہ فضا میں اڑتے ہوئے دکھائی دے رہا ہو۔ آج وہ دل کڑا کر کے آسپی مکان دیکھنے جا رہا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ زندگی میں پہلی دفعہ اس آسپی مکان میں رہنے والے بھوت کو دیکھ لے۔ یہ آسپی مکان گلی کے آخر میں بنا ہوا تھا جو آہستہ آہستہ خود بخود اپنی طبعی عمر پوری کر کے منہدم ہوتا جا رہا تھا۔ کھڑکیوں میں جڑے ہوئے شیشے کب کے ٹوٹ کر گر چکے تھے۔ مکان کے ارد گرد بنی ہوئی حفاظتی باز بھی آجھی سے زیادہ ختم ہو چکی تھی۔ پچھلی گلی کی نکر پر معاذ نے سنا تھا کہ کچھ ہی دنوں میں بلدیہ والے بلڈوزر کے ذریعے اس مکان کو گرا دیں گے۔ معاذ نے بڑے تجسس سے اس شخص سے پوچھا کہ کیا آپ آسپی مکان کی بات کر رہے ہیں؟ دکان والے شخص نے معاذ کو بتایا۔ "سب کہتے ہیں کہ اس گھر میں بھوت رہتا ہے لیکن وہ صرف شام کو اس وقت نکلتا ہے جب ساری دکانیں بند ہو جاتی ہیں اور لوگ گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ میں کبھی اس بھوت کو نہیں دیکھ سکا۔ میں خود بھی شام کے بعد جلدی گھر چلا جاتا ہوں مبادا کہیں مجھے بھوت نظر نہ آ جائے لیکن سب کہتے ہیں

تجھی بیردنی دروازے پر نہایت آہستگی سے ہونے والی حرکت کو معاذ نے محسوس کیا۔ پھر وہ ہوا میں بلند ہوا۔ اس کی کوشش تھی کہ اس کی چھلانگ سے اس کا دل ٹھہر جائے، جو چھلانگ لگا کر معاذ کے جسم سے باہر نکلنے کو تیار تھا۔ اس نے جس سائے کی حرکت محسوس کی تھی، وہ دراصل ایک بچی تھی جو اپنی گیند اور چھڑی سے کھیل رہی تھی۔ اس نے معاذ کی طرف دیکھا جو دروازے پر اس کی طرف آ رہا تھا۔ اس نے معاذ کو مخاطب کر کہا: "میرا خیال تھا کہ اب شاید کوئی شام کے وقت ادھر نہیں آئے گا۔" معاذ نے جواب دیا: "میں تو آ گیا ہوں اور میں بھوت دیکھنے آیا ہوں۔" چھوٹی بچی نے اپنی سیاہ بڑی بڑی آنکھوں سے معاذ کو دیکھتے ہوئے کہا: "اصلی بھوت، وہ کیا ہوتا ہے۔" معاذ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا: "وہ بھوت جس کا اس مکان پر قبضہ ہے۔" وہ دل ہی دل میں خوش بھی تھا کہ کوئی تو ہے جس سے وہ باتیں کر سکتا ہے، بے شک وہ ایک بچی ہی کیوں نہ ہو جس کے ایک ہاتھ میں گیند اور دوسرے میں چھڑی ہو۔

بچی نے ایک دفعہ پیچھے سرزد کر مکان کی طرف دیکھا اور پھر پوچھنے لگی: "کیا واقعی یہ مکان آسیب زدہ ہے؟ مجھے بھی کبھی یہ دیکھنے میں آسیب زدہ لگتا ہے۔ اس کے کمرے میں بھی مگڑی کے جالے لگے ہوئے ہیں اور باغیچے میں بھی کاکرڈج گھومتے رہتے ہیں لیکن کیا تم بھوتوں سے خوف زدہ ہو؟" معاذ نے خوشی خوشی کہا: "میں بھوتوں سے نہیں ڈرتا۔ (حالانکہ وہ صرف اپنے آپ کو نظر ظاہر کر رہا تھا) کئی لوگوں کے لیے تو بھوت بہت ڈراؤنے ہوتے ہیں لیکن میں ان سے خوف زدہ نہیں ہوں اور میں یہ بازو عبور کر کے بھوت دیکھنے جا رہا ہوں۔ کہتے ہیں وہ بھوت بچہ ہے۔" لڑکی نے اسے تجویز دیتے ہوئے کہا کہ وہ دروازے کی طرف سے جائے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی چھڑی سے دروازے کو ہلکی سی ٹوہ لگائی تو وہ چرچراتا ہوا کھل گیا۔ معاذ اسے گھورنے لگا۔ اس نے کہا کہ یہ بڑی عجیب بات ہے۔ جب میں نے پہلے دروازے کو دیکھا تھا تو یہ مقفل تھا۔ لڑکی نے کہا: "میں بھی تمہارے ساتھ آتی ہوں۔ میرا نام راجی ہے اور میں بھی بھوت دیکھنا چاہتی ہوں۔" معاذ نے جواب دیا: "میرا خیال ہے تمہیں نہیں آنا چاہیے کیوں کہ بھوت بڑے ڈراؤنے ہوتے ہیں۔ سنا ہے ان کے لیے بے دانت در بڑے بڑے ناخن

ہوتے ہیں۔ وہ بھیاں تک قہقہے لگاتے ہیں اور بالکل بڈیوں کے ڈھانچے ہوتے ہیں۔" راجی کہنے لگی: "لیکن بڈیوں کا ڈھانچہ ہوتا تو اتنی بڑی بات نہیں ہوتی۔" راجی دراصل خود اتنی کمزور تھی کہ بڈیوں کا ڈھانچہ ہی لگتی تھی۔ وہ بہت سنجیدہ نظر آنے والی پتلی رنگت کی لڑکی تھی جس کے بھورے بال تھے۔ اگرچہ وہ مسکرائی نہیں تھی، پھر بھی اس کا انداز دوستانہ تھا۔ اس نے بھاری بوٹ پہن رکھے تھے جس سے اس کی ٹانگیں اور بھی کمزور دکھائی دیتی تھیں۔ اس نے لباس بھی اپنی حساست کے حساب سے خاصا بڑا پہن رکھا تھا۔ کم از کم معاذ کو ایسا ہی لگ رہا تھا۔ ویسے بھی یہ لباس بہت پرانے زمانے کے فیشن کا لگ رہا تھا۔ راجی بولی: "بڈیوں کے ڈھانچے جیسا ہونا تو ڈراؤنا لگتا ہے۔ ہو سکتا ہے بھوت مجھ سے ڈر جائے۔ میری کیف دروازہ کھلا ہے اور میں تمہارے ساتھ آ سکتی ہوں اگر تم چاہو تو۔" یہ کہہ کر وہ باغیچے میں داخل ہو گئی۔

معاذ اس کے پیچھے تھا۔ وہ تھوڑا ناراض تھا کیوں کہ یہ کارنامہ وہ تنہا انجام دینا چاہتا تھا۔ جیسے ہی وہ باغیچے میں داخل ہوا، ایک بارگی معاذ نے پھر ٹھنڈی ٹھنڈی سانس کو اپنی گردن کے عقب میں محسوس کیا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا لیکن اسے کچھ دکھائی نہیں دیا۔ شاید کوئی ہوا کا جھوٹکا تھا جو خالی باغیچے سے گزر رہا تھا۔ راجی چیخ کر بولی: "باغیچے میں جگہ جگہ کانٹے ہیں اور گھاس میرے کندھوں تک بڑا ہو چکا ہے۔ کوئی بھی بھوت اچانک میرے پیچھے نمودار ہو کر مجھے ڈرا سکتا ہے۔" یہ سن کر معاذ باغیچے میں اینٹوں سے بنے رستے پر چلنے لگا۔ کچھ ہی لمحوں میں وہ گھر کے بیردنی دروازے پر بنی سیڑھیوں کے سامنے کھڑا تھا۔ یہ ایک برآمدہ تھا جس میں عجیب وحشت اور تنہائی کا احساس تھا اور برآمدہ بھی وقت کے ساتھ انتہائی شگستگی کا شکار تھا۔ معاذ کہنے لگا: "اس بے چارے برآمدے پر بوجھ ڈالنا اس کے ساتھ ظلم ہے۔ یہ تو بہت بیمار لگتا ہے۔" راجی بڑی سنجیدگی سے بولی: "برآمدے پر ظلم! معاذ واقعی زیادہ بوجھ نہ ڈالو، ورنہ اس کے اندر گر جاؤ گے اور ہو سکتا ہے کہ برآمدے کے بننے والے گڑھے میں تمہاری ملاقات بھوت سے ہو جائے۔ کیا خیال ہے؟" معاذ حیران ہو کر راجی سے پوچھنے لگا: "تم میرا نام کیسے جانتی ہو؟" راجی بولی: "تمہاری شکل ہی ایسی ہے، تمہارا نام معاذ ہی ہونا چاہیے۔" پھر اس نے برآمدے سے گھر جانے والے

اس کی چڑچڑاہٹ تھی۔ روحی بولی۔ "اوپر آ جاؤ۔" یہ میڑھیاں بہت خوب صورت تھیں۔ ہر روز ان کو پالش کیا جاتا تھا۔ معاذ نے پوچھا۔ "تمہیں کیسے پتا ہے؟" وہ اوپر جاتی، بل کھاتی میڑھیوں کو دیکھ رہا تھا۔ روحی نے کہا۔ "اتنی گرو میں بھی پیروں کو چلنے میں نفاست محسوس ہوتی ہے لیکن یہ بہت قدیم بات ہے۔" معاذ نے پوچھا۔ "روحی! تم میڑھیوں پر چڑھ کیسے رہی ہو، یہاں تو اتنا اندھیرا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "خاصی روشنی ہے۔" وہ معاذ سے کئی میڑھیاں اوپر تھیں۔ معاذ اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اندھیرے میں اسے اچانک ایسا لگا جیسے کوئی خاموشی سے اپنے ملائم ہاتھ اس کے چہرے پر پھیر رہا ہے۔ معاذ تیسری دفعہ چیخا "بھوت" تو روحی بولی نہیں یہ مگزی کے جالے ہیں۔ معاذ نے اپنے چہرے کو چھوا تو اس کی انگلیاں جو خوف سے ٹھنڈی پڑ رہی تھیں، صرف مگزی کے جالوں سے ٹکرائیں۔ وہ اندھیرے میں ٹانگ لٹوئیاں مارتا روحی کے پیچھے پیچھے اڑا۔ اوپر ایک کمرہ کی تھی جس سے جھانکنا آسان تھا اور وہاں اسے کانٹوں والا بانچہ اور خالی گلی صاف دکھائی دیتے تھے۔ روحی سرگوشی سے بولی۔ "کبھی یہاں گھاس ہوا کرتی تھی۔" وہ باہر

دروازے کو دھکا دیا تو وہ کھل گیا۔ اندر اتنا اندھیرا تھا جیسے کوئی غار منہ کھولے ان کی راہ دیکھ رہا ہو۔ معاذ کہنے لگا۔ "میرا خیال ہے مجھے اندر نہیں جانا چاہیے، فرش ٹوٹ بھی سکتا ہے۔" وہ 'دلا تو خالی مکان کی خاموشی میں اس کی آواز خاصی دیر تک گونجتی رہی۔ البتہ روحی بڑے سکون سے بولی۔ "تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ گھر بہت پُرانا بنا ہوا ہے اور بڑے سالوں سے خالی ہے۔ پُدا نے گھروں میں بڑی شان دار لکڑی کا استعمال کیا جاتا تھا۔" پھر وہ کمرے کے اندھیرے میں اندر کووی اور غائب ہو گئی۔ معاذ کو مجبوراً اس کے پیچھے جانا پڑا۔ پھر شدید خوف کی لہر اچانک اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔ وہ ایک بہت بڑے کمرے میں کھڑے تھے جس میں روشنی نہ ہونے کے برابر تھی اور اتنا گرد آلود تھا کہ آنکھوں کو کچھ بھائی نہیں دے رہا تھا لیکن جو معاذ دیکھ سکا، وہ یہ تھا کہ ایک بیولا سا کمرے کی دوسری سمت سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ معاذ چلایا۔ "بھوت..... بھوت....." روحی نے اس کی طرف دیکھا۔ معاذ اگرچہ اس کا چہرہ غور سے نہ دیکھ سکا لیکن اسے لگا جیسے وہ مسکرا رہی ہو۔ وہ بولی۔ "کوئی بھوت دوت نہیں ہے۔ سامنے آئینہ لگا ہوا

ہے، کمرے کی دوسری طرف ایک قد آور الماری کھڑی ہے جس پر یہ بڑا آئینہ آویزاں ہے۔ یہ تمہارا اپنا سایہ ہے جو تمہیں ڈرا رہا ہے۔" معاذ نے آنکھیں جھپکیں تو واقعی روحی کی بات درست تھی۔ وہ احتیاط سے کمرے میں چلنے لگے۔ آئینے میں نظر آنے والا ٹکس بھی ان کے ساتھ چل رہا تھا۔ اندر اتنا اندھیرا تھا کہ باہر شام کا ملگجا انہیں نظر آ رہا تھا۔ معاذ نے اپنی انگلیوں سے آئینے کو رگڑا تو آئینہ گویا خفیف سا پیچھے ہوا اور بہت ہی خفیف سی آواز آئی جیسے کوئی بین کر رہا ہو۔ معاذ کے منہ سے پھر بھوت نکلا لیکن یہ صرف الماری کا دروازہ تھا جو تھوڑا کھلا تھا اور بین کرنے کی آواز دراصل



نے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔ اس کی بجائے اس نے معاذ سے سوال کیا۔ ”کیا ہر کسی کا سایہ ہوتا ہے، کیا خیال ہے؟“ اتنے اندھیرے میں اس کا چہرہ غور سے دیکھنا مشکل تھا، پھر بھی جانے کیوں معاذ کو لگا کہ وہ مسکرا رہی ہے۔ معاذ نے پھر پوچھا۔ ”روحی! سیرھیوں پر تم مجھ سے آگے آگے تھیں تو تم نے مکاری کے جالے صاف کیوں نہیں کیے۔“ روحی نے جواب دیا۔ ”میں تمہارے جتنی لمبی نہیں ہوں۔“ معاذ نے پھر اس کو گھورا کہ شاید وہ کچھ اور کہے گی لیکن پھر اس نے محسوس کیا کہ کوئی سرو جھونکا اس کی گردن کے عقب میں لگایا ہے۔ آخر میں وہ بولا کہ کوئی بھوت دوت نہیں ہے اور روحی کو خدا حافظ کہے بغیر گھر کی طرف دوڑ لگا دی۔ روحی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی، پھر وہ خود سے بولی۔ ”سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ بھوت کو پہچانتے بھی ہیں یا نہیں؟ فرض کریں کہ وہ آپ کے سامنے آ جائے تو؟“ پھر وہ بیرونی دروازے سے گھر میں داخل ہوئی اور اسے اندر سے مقفل کر لیا۔ وہ بے حد تھک چکی تھی اور خود کو بہت کمزور محسوس کر رہی تھی۔ وہ شام کے ملکوں سے نکلی اور آسیب زہد برقان کے اندھیروں میں گم ہو گئی۔

☆☆☆

(بقیہ: جینا وہی ہے جو دوسروں کے لیے ہو)

ساری دنیا اس بہادر اور باہمت عورت کو جانتی ہے جو شکست کے لفظ سے نا آشنا ہے۔ اس کے رحم و کرم کا پیمانہ اتنا وسیع ہے کہ دنیا میں جتنے بھی دکھی اور بد قسمت لوگ ہیں، خواہ ان کی بد قسمتی کا باعث کچھ بھی ہو، ان سب کے لیے اس کے دل میں جگہ ہے۔ جن لوگوں نے اس کی کتابیں پڑھیں یا جو ذاتی طور پر اس جگہ گاتی شخصیت سے واقف ہیں، جانتے ہیں کہ اس کی ناپاکیاں آنکھیں بصیرت کی اس حد تک کھینچی ہیں جہاں عام آدمی کی بصیرت نہیں پہنچ سکتی۔

اس کی شخصیت بے مثال ہے۔ دنیا کو اس نے جو تھک دیا ہے وہ تازہ اور صحت مند روح ہے۔ اس کی انسانوں کی بے حد و انتہا خدمت زندہ مثال ہے۔ اس نے ناپاکیاں ہونے کے باوجود دوسروں کو جینے کی راہ دکھائی اور ثابت کر دیا کہ جینا وہی ہے جو دوسروں کے لیے ہو۔ میلن کیلر نے 1968ء میں وفات پائی۔

☆☆☆

جہا تک رہی تھی، کہنے لگی۔ ”گھاس اور گائیاں..... لیکن بہت زمانہ ہو گیا۔ اب اس دروازہ سے باہر آ جاؤ۔“ معاذ اب پوری کوشش میں تھا کہ کہیں وہ روحی سے پیچھے نہ رہ جائے۔ وہ دروازے کو عبور کر کے ایک نسبتاً چھوٹے کمرے میں داخل ہوئے۔ کھڑکی کے پت پھسل کر تھوڑے ہٹے ہوئے تھے۔ شام کے ملکے کی روشنی چھین چھین کر کمرے اور چھت پر پڑ رہی تھی۔ ابھی بھی سیرجھلی پتوں کے نیچے کچے کڑے لٹکے ہوئے تھے۔ ایک جھوٹے والی کرسی پڑی تھی جس کا ایک بازو ٹوٹا ہوا تھا۔ اس کرسی پر ایک بہت ہڈانی گزیا پڑی تھی۔ لگتا تھا کسی بچے نے اسے یہاں رکھا اور خود باہر کھیلنے چلا گیا اور گزیا کو امید ہے کہ وہ واپس آ کر اس سے دوبارہ کھیلے گا۔ معاذ نے گزیا اور کمرے کو دیکھا اور پھر کھڑکی سے باہر نکل کر بولا۔ ”یہاں کوئی بھوت دوت نہیں ہے۔ اب دیر ہو رہی ہے۔ مجھے اب چلنا چاہیے۔“ اب بھوت کی اہمیت معاذ کی نگاہوں میں وہ نہیں تھی جو چند لمحے پہلے تھی لیکن معاذ جانتا تھا کہ وہ اس گھر کی خاموشی اور اس کا باغیچہ کبھی نہیں بھولے گا۔

وہ دونوں سیرھیوں سے نیچے اترے۔ اس دفعہ مکاری کے جالوں نے معاذ کو پریشان نہیں کیا۔ وہ عکس والے آئینے کے پاس سے گزرے اور جان بوجھ کر معاذ نے الماری کو انگلی لگائی لیکن کوئی آواز نہیں آئی جو معاذ کو ڈرائے۔ جو آواز لگی وہ بے ضرر اور بے چارائی سے بھری ہوئی تھی۔ ڈرانے والی کڑھائی اس میں نہیں تھی۔ روحی کہنے لگی۔ ”یہ صرف تباہ رہنا چاہتی ہے۔“ وہ بڑے کڑے سے گزرے۔ معاذ نے مڑ کر آئینے میں عکس کو خدا حافظ کہا۔ اس سے پہلے کہ وہ دروازہ بند کرتے، عکس نے بھی ہاتھ اٹھا کر جوابی خدا حافظ کہا۔ باہر رات ہو گئی تھی اور ستارے چمک رہے تھے۔ معاذ نے سر جھٹکا اور کہنے لگا۔ ”کوئی بھوت دوت نہیں ہے۔“ پھر وہ بیرونی دروازے تک آئے۔ روحی پوچھنے لگی۔ ”کیا تم دوبارہ کسی شام یہاں آؤ گے۔“ معاذ نے اسے جواب دیتے ہوئے کہا۔ ”کبھی نہیں! مجھے بھوتوں پر یقین نہیں رہا۔ میں نے سوچا شاید یہاں کوئی ہو لیکن کوئی بھی نہیں ہے۔ اس لیے یہ تجربہ کافی ہے۔“ وہ کہہ کر مڑا اور گھر کی طرف دوڑنے لگا لیکن پھر کچھ سوچ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے روحی کو غور سے دیکھا اور بڑی حیرت سے اسے پوچھنے لگا۔ ”کیا تم نے بھی اپنا سایہ آئینے میں دیکھا تھا۔ مجھے تو تمہارا سایہ نظر نہیں آیا۔“ روحی

کے۔ آپ بہت خود غرض ماں باپ ہیں۔ اب میں آپ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ خدا حافظ! آپ کا بیٹا کاشف۔"

☆.....

کاشف اپنی ماں کے زیورات بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ ان کو بیچ کر کچھ دن ان پیسوں سے گزارہ کیا پھر وہ پیسے بھی ختم ہو گئے۔ رات کو وہ کسی فٹ پاتھ پر چادر بچھا کر سو جاتا تھا۔ ☆..... ایک دن وہ یوں اٹی سرک پر چل رہا تھا کہ اچانک اسے ایک ایسا آدمی نظر آیا جو ایک دوسرے آدمی کی جیب بڑی مہارت سے کاٹ رہا تھا۔ کاشف یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ چھپ کر یہ منظر دیکھنے لگا۔ جب اس نے اس جیب کترے سے بات کی تو پتا چلا کہ وہ کافی برسوں سے یہ کام کر رہا ہے اور بہت امیر ہے۔ بس پھر کیا، کاشف نے بھی یہ کام شروع کر دیا۔ دن بھر وہ بیٹے مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بدلتے گئے۔ کاشف اب جوان ہو گیا۔ اب وہ ایک گرو میں شامل ہو گیا اور ایک ماہر جیب تراش بن گیا۔ ☆.....

آج کاشف کسی نئے شکار کی تلاش میں تھا۔ کاشف کی نظر ایک ضعیف آدمی پر پڑی۔ وہ آدمی پھل فروش سے بحث کر رہا تھا۔ آس پاس سے بھی لوگ اکٹھے ہو گئے۔ کاشف نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس آدمی کی جیب جھانک کر دی اور چپکے سے فرار ہو گیا۔ ☆.....

ادھر بحث ختم ہوئی اور بوڑھا آدمی پھل فروش کو پیسے ادا کرنے لگا تو پتا چلا کہ بوڑھا تو عاقل ہے۔ چیخنے چلانے لگا کہ کسی نے میری جیب کاٹ لی ہے۔ اپنے اڈے پر پہنچ کر کاشف نے ہونہ کھولا تو اس بوڑھے آدمی کا شناختی کارڈ ملا۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، سانس حلق میں اٹک گیا کیوں کہ وہ آدمی کوئی اور نہیں اس کا باپ تھا۔ کاشف کو شرمندگی کے ساتھ حیرت بھی ہوئی کہ اس کے باپ کے پاس اتنی رقم کہاں سے آگئی؟ ☆.....

کاشف کے باپ نے تھانے میں رپورٹ درج کروائی۔ تفتیش سے معلوم ہوا کہ یہ تو وہی مشہور اور ماہر جیب کتر ہے۔ پولیس نے اسے پکڑنے کے لیے سرٹوڑ کوشش کی، آخر کار وہ پکڑا گیا۔ ☆..... جب کاشف کو اپنے باپ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اپنے باپ کا سامنا کرے۔ اس بات کا اس



(آمنہ احمد اسلام آباد)

جیب کترا

"اگر کاشف ضد کر رہا ہے تو اسے لے ہی دیں۔ میں کم پیسوں میں ہی گزارہ کر لوں گی۔" ارے کاشف کی ماں! تمہیں پتا ہے ماں کہ وہ ہوائی جہاز کتنا مہنگا ہے۔ میں اسے وہ جہاز لے کر نہیں دے سکتا اور کاشف بچہ نہیں رہا جو ہم اس کی ہر بات مانگتے رہیں۔ وہ اب بڑا ہے اور سمجھ دار ہے اور گھر کے مالی حالات اس سے دھکے پیچھے نہیں ہیں۔ تم اسے کسی طرح سمجھاؤ کہ میں اس کو وہ جہاز نہیں لے کر دے سکتا۔ ورنہ میں اسے اسکول سے اٹھوا کر کسی دکان میں ہٹاؤں گا، کم از کم گھر میں دو چار پیسے اتنی آجائیں گے۔"

کاشف کا تعلق ایک غریب گھرانے سے تھا۔ وہ چھٹی جماعت کا طالب علم تھا اور چار بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ وہ ایک گورنمنٹ اسکول میں پڑھتا تھا جس کی فیس نہ ہونے کے برابر تھی۔ ایک دن وہ اسکول سے چھٹی گئے بعد سامنے والے میدان میں کھیل رہا تھا کہ اس کو ایک لڑکا نظر آیا جس کے ہاتھ میں ایک ریموٹ کنٹرول تھا اور وہ اس سے ایک بڑا سا ہوائی جہاز اڑا رہا تھا۔ وہ جہاز کاشف کو بہت پسند آیا۔ اس نے اپنی ماں سے جہاز کی فرمائش کر دی۔ جب اس کی ماں نے اپنے شوہر سے بات کی تو شوہر نے ٹکا سا جواب دے دیا۔ کاشف کو پڑھائی سے بالکل دل چسپی نہ تھی۔ وہ دن رات اس ہوائی جہاز کے خواب دیکھتا رہتا لیکن جب اس کی ماں نے اسے دبی زبان میں بتایا کہ یہ ناممکن ہے تو کاشف کے غصے کی انتہا نہ تھی۔ پھر ایک دن غصے میں وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا۔ اس نے ایک کاغذ کے ٹکڑے پر ایک تحریر لکھ کر چھوڑی جو کچھ یوں تھی۔ "آپ مجھے ایک ہوائی جہاز خریدا کر نہیں دے

کے دل پہ اتنا گہرا اثر ہوا کہ اس نے اتنی وقت اپنے دل میں تہیہ کر لیا کہ وہ یہ کام آئندہ کبھی نہیں کرے گا۔ اس کے باپ نے اسے دیکھا تو اسے گلے لگا لیا اور خوب پھوٹ کر رو دیا۔ کاشف نے سارا ماجرا والد کے گوش گزار کر دیا، پھر باپ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی اور اس کام سے ہمیشہ کے لیے توبہ کر لی۔

پیارے دوستو! اگر آپ کے والدین کے مالی حالات ٹھیک نہیں ہیں تو ان سے بار بار فرمائشیں مت کریں، نہ کبھی جھوٹ بولیں اور نہ ہی کبھی چوری کریں۔ (پہلا انعام: 195 روپے کی کتب) (غلام یحیٰی نونارنی، مظفر گڑھ)

شرارت سے توبہ

ماجد یوں تو بے حد ذہین بچہ تھا مگر تھا بہت شرارتی۔ عید پر اسے سو روپے ہارنے دیے کہ کچھ کھانی لینا۔ ماجد دکان پر گیا تھا۔ ایک میز پر دکان دار نے ڈیسر دے کھلوئے سجا رکھے تھے۔ ماجد انواع و اقسام کے کھلونے دیکھ کر بے حد خوش ہوا۔ اس نے سوچا اگر سو روپے کھا لیتا تو وہ تو ختم ہو جائے گا، کوئی کھلونا لے لیتا توں تاکہ بعد میں اس سے کہلا کر وہ اس کی نظر چھوٹی چھوٹی کاروں پر پڑتی۔ یہ ریسوٹ کنٹرول کاریں تھیں مگر ماجد کو کچھ اچھی نہیں لگیں۔ ماجد نے دیکھا ایک طرف بہت سے کھلونا پستول موجود ہیں۔ اس نے فوراً ایک پستول اٹھا لیا۔ پستول ہاتھ میں پکڑ کر وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے دکان دار سے اس کی قیمت پوچھی۔ دکان دار کو قیمت ادا کر کے وہ پستول لیے خوش گھر آ گیا۔ پستول کے ساتھ ایک چھوٹے پیکٹ میں چھوٹی چھوٹی گولیاں بھی تھیں جو پلاسٹک کی بنی ہوئی تھیں۔ ماجد نے دو گولیاں پستول کے میگزین میں بھریں اور لگا کر دبانے۔ ٹھانڈی آواز کے ساتھ گولی نکلی اور سامنے والی دیوار سے جا کرائی۔ ماجد بے حد خوش ہوا۔ اب اسے شرارت سوجھی۔ وہ فوراً اندر کی طرف بڑھا اس کی چھوٹی بہن نجمہ صحن میں کھیل رہی تھی۔ ماجد نے میگزین میں مزید گولیاں بھریں اور صحن میں کھیلتی نجمہ کے کان کا نشانہ لے کر ایک گولی داغ دی۔ گولی کان پہ تو نہیں لگی سر پر لگی۔ نجمہ چونک کر سیدھی ہوئی اور ماجد کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر ڈر گئی۔ ماجد اسے ڈرتے دیکھ کر اور بھی خوش ہوا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ پستول کا ٹریگر دباتا چلا گیا اور پستول کی ننھی منی گولیاں نجمہ کی طرف بڑھتی گئیں۔ کچھ اس کی ناک سے نکرائیں اور کچھ اس کی گال سے پھر یک دم نجمہ کی چیخ سنائی دی۔ ماجد دیکھا گیا اس نے اپنی ننھی منی گولی کے ساتھ

اور نجمہ کے پاس آیا۔ وہ سلسل چن رہی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ اس کی دائیں آنکھ پر تھا۔ اسے چلاتا سن کر اس کی انی بھی کچن سے نکل آئیں۔ انہوں نے دیکھا نجمہ کی آنکھ سرخ ہو رہی تھی اور اس سے پانی بہہ رہا تھا۔ وہ اسے فوراً ڈاکٹر کے پاس لے گئیں۔ ڈاکٹر نے وہاں دیکھا تو اسے کہہ کر اس میں کوئی چیز زور سے لگی۔ یہ مگر اللہ کا کرم ہے کہ آنکھ کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا۔ ابھر ماجد بے حد شرمندہ تھا کہ اس کی شرارت نے اس کی پیاری بہن کو تکلیف میں مبتلا کر دیا۔ اس نے اس روز شرارتوں سے توبہ کر لی اور پستول پھینک دیا۔ (دوسرا انعام: 175 روپے کی کتب)

نقل شدہ کہانی

(فارین شہزاد، پشاور)

”دیکھئے باقی، رسالہ آگیا۔“ رومان نے خوشی سے اپنے قاتل کو کر کہا۔

”تمہاری کہانی چھپی یا پھر اس نے مجھے بھی روک لی؟“ باقی نے شرارت سے کہا۔

جب اس نے رسالے کا ایک ورق پور سے دیکھا لیکن اس کی کہانی اس نامہ بھی نہ شائع ہوئی تھی۔

”نہیں باجی۔“ رومان کی ذوقی ہوتی آواز آئی اور وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ رومان کے ابو کا ایک اسکول تھا۔ انی کالج میں پڑھاتی تھیں اور بڑی بہن کالج میں تھیں۔ رومان کی طالبہ تھیں۔ رات کو دوتے وقت رومان نے دل میں سوچا کہ اس کے دوست حیان نے کہانی نقل کر کے بھیجی تھی جو فوراً چھپ گئی تھی اور انعام بھی آ گیا تھا۔ میری کہانی کیوں نہیں چھپی، میں تو ہر بار اپنے نام سے اور اپنی محنت سے کہانی لکھتا ہوں۔ کیا میری کہانی اچھی نہیں تھی، کیا خرابی تھی اس میں؟ اس طرح کے بے شمار سوالات اس کے دماغ میں اٹھ رہے تھے۔ اچانک اس کے ذہن میں خیال آیا کہ وہ بھی کہیں سے کہانی نقل کر کے بھیج دے لیکن ضمیر کہہ رہا تھا کہ رومان اگر تم نے کہانی نقل کر کے بھیجی تو اس کے انعام کا کیا فائدہ؟ ذرا سوچو!

دل نے پھر دہرایا۔ ”رومان جلدی کہانی نقل کر کے بھیج دو اور اپنے دوستوں پر برتری ثابت کرو۔“ آخر رومان نے کہانی نقل کر کے بھیج دی اور آئندہ شمارے کا بڑی بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔

اگلے ماں رومان کی کہانی شائع ہو گئی تو رومان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ پھر اسے انعام کا خیال آیا اور بڑا خوش ہوا اور بے

چین اپنے انعام کا انتظار کرنے لگا۔ چند دن بعد ڈاک رومان کو

بہت اچھا ہوا ہے۔" دونوں دوست چلتے چلتے سائیکل اسٹینڈ کے پاس آئے، سائیکلیں لیں اور گھر کو روانہ ہوئے۔ راستے میں باتیں کرتے کرتے غار بولا۔ "اوہ! یار پرسوں پھر مصیبت ہے۔ پاک اسٹڈیز کا پیپر ہے۔" "تو کیا ہوا! اتنا زبردست مضمون تو ہے۔" ارجم بولا۔ "یار وہ تو ٹھیک ہے پر یہ ہسٹری کی ڈٹس یاد کرنا مشکل ہے۔" غار نے کہا۔ "ڈٹس نہیں تاریخیں!" ارجم نے سنجیدگی سے کہا۔

آج ان کے سالانہ نتیجے کا دن تھا۔ تمام طلباء کی آنکھیں انتظار میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ جوں ہی ماسٹر صاحب اسٹیج پر تشریف لائے، تمام طلباء کے دلوں کی دھڑکیں تیز ہو گئیں۔ سب سے پہلے ہشتم اسے کی باری تھی۔ جوں ہی ماسٹر صاحب نے پہلی پوزیشن کے لیے پکارا تو یہ ارجم کا نام تھا۔ پھر دوسری اور تیسری پوزیشن میں بھی غار کا نام نہیں تھا، وہ دسویں نمبر پر آیا تھا۔

نتیجے کے اختتام پر غار نے ارجم سے کہا: "یار میں نے بھی تو پیپر دیا تھا، تجھے دیئے تھے، پتا نہیں کیوں میری کوئی پوزیشن نہیں آئی؟" ارجم نے فم مزاحی سے جواب دیا۔ "میرے دوست! انہیں ناکامی کی اصل وجہ یہ ہے کہ تمہیں اردو بولتے ہوئے شرم آتی ہے۔ کبھی پرچے کے اختتام پر تم اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتے۔ تمہیں انگریزی سے زیادہ محبت ہے ناں! وجہ کہ ہماری قومی زبان اردو ہے اور ہماری کامیابی کا دار و مدار بھی اردو پر ہی ہے۔ اگر تم اردو سے محبت کرو گے تو کامیابی ضرور تمہارے قدم چومے گی۔" شکر یہ دوست! آج کے بعد میں ہمیشہ اردو بولنے پر فخر محسوس کروں گا۔" غار نے جواب دیا۔

میرے پیارے پاکستانی بھائیو اور بہنو! یہ کہانی لکھ کر میں آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ ہمیں پاکستان کو ترقی یافتہ ملک بنانا ہے۔ دوستو! یاد رکھیے! آج کی دنیا میں جتنے بھی ترقی یافتہ ممالک ہیں، سب کی ترقی کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہیں اپنی قومی زبان سے بے حد محبت ہے۔ وہ اس کو بولنے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ اردو سے محبت کر کے ہی پاکستان کو ساری دنیا کی بلندیوں سے بلند کریں گے۔ ان شاء اللہ!

(چوتھا انعام: 115 روپے کی کتب)

(راحد مریم، سیال کوٹ)

ٹوٹی اور کنواں

پڑانے ہفتوں کی بات ہے کہ ایک کتا کسی شہر میں رہا کرتا تھا۔

الغافہ کچڑا کر چلا گیا۔ رومان نے سوچا کہ ضرور کوئی انعام وغیرہ ہو گا۔ اس نے لغافہ کھولا اور دیکھا کہ اس میں تو کوئی انعام نہ تھا بلکہ ایک کانڈ تھا اس نے پڑھنا شروع کیا: "برخوردار محمد رومان! تم نے جو کہانی بھیجی تھی وہ شائع ہو گئی۔ انیس بعد میں معلوم ہوا کہ وہ نقل شدہ ہے، ہمیں بہت افسوس ہوا۔ اس لیے تمہیں کوئی انعام نہیں بھیجا جا رہا اور آئندہ تمہاری کسی قسم کی بھی کوئی تحریر شائع نہ ہوگی۔ ایڈیٹر!" "نہیں کبھی نہیں۔" رومان چلا یا اور بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

ای جان نے سوچا کہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ لیا ہے۔ رومان نے ہاتھ منہ دھویا اور اسکول چلا گیا اس نے سوچا کہ اپنی محنت سے کہانی لکھنی چاہیے، کبھی نہ کبھی تو شائع ہو جائے گی۔

تعلیم و تربیت کے پیارے قارئین میں چاہتی ہوں آپ بھی جو کہیں، ہمیشہ محنت اور لگن سے لکھیں۔ اگر نقل کریں گے تو کبھی نہ کبھی تو اپنا چل جائے گا۔ اس طرح آپ کو عزت کے بجائے ذلت اٹھانی پڑے گی۔

(تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)

پہلی پیاری اردو (اسیہ خالدہ، وارکینٹ)
"اوہ مائی گاڈ! اسٹوڈنٹس کیلے اس کا پرچہ حل کرتے کرتے غار نے ایک سوال غلط حل کر دیا تو انگریزی میں کچھ بڑبڑا اٹھا، ساتھ والی نشست پر بیٹھے اس کے دوست ارجم نے اس کی طرف ذرا غصیلی نگاہ سے دیکھا اور پھر اپنا پرچہ حل کرنے میں مصروف ہو گیا۔

عمار اور ارجم دونوں بچپن کے بچے دوست تھے۔ اب دونوں آستیں جماعت میں پڑھ رہے تھے۔ دونوں کا مزاج ہر لحاظ سے ایک جیسا تھا مگر ایک چھوٹا سا فرق تھا۔ کہنے کو تو چھوٹا ہے مگر درحقیقت بہت بڑا فرق تھا، وہ یہ کہ عمار کو اردو پسند نہیں تھی، اسے اردو بولتے ہوئے عار محسوس ہوتا تھا۔ وہ انگریزی بول کر خود کو مازدار سمجھتا تھا جبکہ ارجم کو اردو بے حد پسند تھی۔ وہ ہر بات اردو میں کرتا اور کوشش کرتا کہ انگریزی بالکل بھی نہ بولے۔ ارجم کو بھی یہ بات سخت ناپسند تھی کہ اس کا دوست انگریزی بولتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہے۔ وہ عمار کو بہت سمجھاتا مگر اس کے کان پر جوں تک نہ رہتی۔

جب دونوں دوست کمرہ امتحان سے باہر نکلے تو دونوں نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ پرچہ کیسا تھا؟ تو عمار نے جواب دیا۔ "ٹوٹا سا کتب پیپر۔" اور ارجم نے کہا۔ "اللہ کا شکر ہے! میرا پرچہ

اس نے تقریباً دو سال اس شہر میں گزارے تھے اور اب وہ اس شہر کی زندگی سے تنگ آ چکا تھا۔ اس کا ذمہ گھنٹے لگا تھا۔ شہر کی مسروریت اور آلودہ زندگی سے وہ چپ چاپ سہارے لگا۔ اس نے اپنی کیفیت اپنے دوست سے کہی تو اس کے دوست نے اسے شہر چھوڑ کر کسی گاؤں جا کر رہنے کا مشورہ دیا۔ اس کے لئے وہ مشورہ بہت پسند آیا۔

لہذا اگلے ہی دن اس کے لئے شہر کی زندگی کو خیر باد کہا اور کسی گاؤں کی تلاش میں اپنے سفر پر اچل پڑا۔ دو گھنٹوں کے مسلسل سفر کے بعد اسے ایک گاؤں نظر آیا۔ اس کے لئے تو خوشی کی انتہا نہ تھی۔ وہ اچھلتا کودتا گاؤں میں داخل ہوا۔ جب اس کے پاؤں نرم گھاس پر لگے تو اسے بہت اچھا محسوس ہوا۔ وہ اتنی خوشی کے احساس میں اچھلتے کودنے لگا۔ وہ اتنا خوش تھا کہ اسے احساس ہی نہ ہوا کہ گاؤں کے آوارہ بکے اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔ جب وہ آوارہ بکے بہت قریب آ گئے تو اسے تو جیسے اپنی موت دکھان دینے لگی۔ اس نے پوری طاقت سے دونا شروع کیا اور چون کہ اسے گاؤں کے راستہ میں کالم نہیں تھا۔ وہ ایک کنویں میں جا گرا۔ اور مر گیا۔

جب گاؤں کے لوگ وہاں پانی لینے آئے تو اس کے کومرا ہوا پایا۔ لوگوں نے اس کے کومرے کو پیسے بھی گاؤں میں نہیں دیکھا تھا اور اس کے گلے میں پٹا بھی تھا۔ لہذا انہیں اندازہ ہو گیا کہ یہ کتا شہر سے آیا ہے اور لوگوں نے اس کا نام "ٹوٹی" رکھ دیا۔ اب گاؤں کے ہر فرد کی زبان پر "ٹوٹی" کا ہی نام تھا۔

ایک دو دن گزرے تو کنویں کے پانی سے بدبو آنا شروع ہو گئی۔ گاؤں والے پریشان ہو گئے وہ اس گاؤں کی مسجد کے امام صاحب کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ اب وہ لوگ کیا کریں جب کہ کنویں میں ٹوٹی (کتے) کی وجہ سے بدبو پیدا ہو گئی ہے۔ امام صاحب نے ان کو مشورہ دیا کہ لوگ کنویں سے میں بالٹی پانی نکال کر ضائع کر دیں اور پھر باقی استعمال کر لیں۔ لوگوں نے اسی طرح ہی کیا کچھ دن تو بدبو نہ آئی لیکن پھر سے بدبو آنا شروع ہو گئی۔ لوگ پھر سے پریشان ہو گئے۔

وہ پھر امام صاحب کے پاس گئے۔ ان کو بھی حیرت ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ اب ہمیں پانی بہاؤ اور باقی استعمال کرنا۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ چار پانچ دن تو بدبو نہ آئی لیکن پھر سے

بدبو آنا شروع ہو گئی۔ لوگ بے چارے پھر پریشان ہو گئے۔ وہ پھر امام صاحب کے پاس آئے۔ اب انہوں نے چچاس بالٹی پانی کے بہانے کا مشورہ دیا اور کہا کہ اگر اب بھی بات نہ بنی تو وہ خود ان کے ساتھ جائیں گے تو لوگوں نے ایسا ہی کیا۔

اب کی بار دن بار دنوں تک تو پانی استعمال کے قابل رہا۔ لیکن پھر سے اسی شکایت نے جنم لیا کہ پانی سے بدبو آنے لگ گئی۔ بھولے بھالے گاؤں والے پریشانی کی حد پار کر چکے تھے۔ افواہ پھیل گئی کہ یہ کام جہات کا ہے یا یہ کسی کی شرارت یا دشمن گاؤں کی سازش۔

جب یہ سب باتیں امام صاحب نے سنیں تو انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ خود کنویں پر جائیں گے۔ ان کے اس فیصلے سے گاؤں والوں کو حوصلہ ہوا۔

اگلے روز ظہر کی نماز کے بعد سب گاؤں والے بے نمبری سے امام صاحب کا انتظار کرنے لگے۔ امام صاحب آئے اور آتے ہی اپنی ناک پر اپنا تروٹال رکھ لیا کیوں کہ پانی سے بدبو آ رہی تھی۔ اب امام صاحب کنویں کی طرف بڑھے۔ سب لوگوں نے ان کو راستہ دیا۔ اب امام صاحب آگے بڑھے اور انہوں نے کنویں کے اندر جھانکا۔ کنویں کے اندر کا منظر دیکھ کر وہ حیران ہو گئے اور وہاں سے چلے گئے۔

لوگوں کی پریشانی میں مزید اچھا نہ ہو گیا۔ چند منٹ کے بعد امام صاحب دوبارہ آ گئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک دبی اور ایک بالٹی تھی۔ انہوں نے اس دبی سے بالٹی کو باندھا اور کنویں کے اندر بھینک دی۔ جب انہوں نے بالٹی باہر نکالی تو اس میں پانی کے ساتھ "ٹوٹی" (کتا) بھی تھا۔ پھر امام صاحب نے قریب ہی ایک گڑھا کھودا۔ ٹوٹی کو اس میں ڈالا اور اوپر مٹی ڈال دی۔ اب انہوں نے گاؤں والوں سے کہا کہ اب ہمیں بالٹی پانی نکالو، اسے بہاؤ اور باقی کا استعمال کرنا شروع کر دو۔

سب لوگ امام صاحب کی اس بات کو سمجھ چکے تھے کہ جب تک بُرائی کی جزا نہ کاٹا جائے تب تک بُرائی کا درخت اکھاڑنا ناممکن ہے۔ اگر جزا کو روک دیا جائے تو وہ پھر سے اسی بُرائی والے درخت کی بنیاد ہوگی۔ (پانچواں باب: 95 روپے کی سب)

☆☆☆

جلد نمبر 1
سانپ

خفیہ خزانہ
زیر زمین

لمحے کے لیے خوف سا محسوس ہوا مگر وہ خلائی عورت تھی۔ اس نے بہت جلد اس خوف کو دور کر دیا اور مردہ لوشیا کے چہرے کو دیکھنے لگی کہ یہ کب آنکھیں کھولتی ہے۔

مردہ لوشیا نے آنکھیں کھول دیں اور کہا۔ ”قبر میں اتر آؤ کیٹی! مردوں کی دنیا میں جانے والا دروازہ کھل گیا ہے۔“

کیٹی نے پوچھا۔ ”کیا مردوں کی دنیا کو راستہ قبر میں سے ہو کر جاتا ہے؟“

مردہ لوشیا نے کہا۔ ”ہاں! مردوں کی دنیا کو جانے والا راستہ قبر میں سے ہو کر ہی جاتا ہے۔ کیا تم ڈر رہی ہو کیٹی؟“

کیٹی نے گردن اٹھا کر کہا۔ ”میں کیوں ڈرنے لگی؟“

اس کے ساتھ ہی کیٹی قبر میں اتر گئی۔ قبر اوپر سے جھگ لگتی تھی۔ لیکن جب کیٹی اس کے اندر اترتی تو اس نے دیکھا کہ وہ اندر سے کافی کھلی تھی اور مردہ لوشیا کے پاؤں کی طرف دیوار میں

ایک کھڑکی تھی جس کا دروازہ کھلا تھا اور اس میں سے پیکی پیکی نیلی پڑاسرار روشنی قبر میں آنے لگی تھی۔ مردہ لوشیا بھی اب اٹھ

کھڑی ہوئی۔ اس نے کفن اپنے جسم کے گرد لپیٹ لیا اور کیٹی کے آگے کھڑکی کے پاس آگئی۔ ان کے سر قبر کی چھت کو چھو رہے

تھے۔ مردہ لوشیا کے بال کھلے تھے اور چہرے پر موت کی زردی

کیٹی کا دل ایک ہل کے لیے دھڑکا۔ وہ مردوں کی دنیا میں جاتے کچھ گھبرانے لگی لیکن جلد ہی اس خوف پر اس کی خواہش نے غلبہ حاصل کر لیا اور وہ بولی۔ ”لوشیا! میں مردوں کی دنیا کی سیر کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے مردوں کی دنیا کی سیر کراؤ۔“

مردہ لوشیا کا چہرہ ساکت ہو گیا۔ اس نے گہری سانس بھر کر کہا۔ ”کیٹی! ایک بار پھر سوچ لو۔“

کیٹی نے سٹ پنا کر کہا۔ ”میں نے سوچ لیا ہے۔ تم بھی تمہیو ساہج کی طرح مجھے نصیحتیں نہ کرو۔ میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ مجھے۔“

مردوں کی دنیا کی سیر کراؤ۔ لیکن میں تمہوڑی دیر سیر کرنے کے بعد واپس آ جانا چاہتی ہوں۔“

مردہ لوشیا نے کہا۔ ”تم مردوں کی دنیا میں جا کر اگر چاہو تو ایک سیکنڈ بعد بھی واپس آ سکتی ہو لیکن اگر وہاں کوئی گڑبڑ ہو گئی تو پھر میں بھی تمہاری کوئی مدد نہ کر سکوں گی۔ یہ سوچ لو۔“

کیٹی جھنجھلا کر کہنے لگی۔ ”لھیک ہے۔ میں نے سوچ لیا ہے۔ تم مجھے مردوں کی دنیا میں لے چلو۔“

مردہ لوشیا نے آنکھیں بند کر لیں۔ لاش پر ایک گہری خاموشی چھا گئی۔ قبرستان میں ہوا درختوں کی شاخوں سے ٹکرا کر جیسے رو

رہی تھی۔ عجیب دردناک سی آواز سن آنے لگی تھیں۔ کیٹی کو ایک

تھے۔ یہ سرنگ کبر کے ریگتے ہوئے میا لے رنگ کے بادلوں نے بنا رکھی تھی۔ کئی کو پہلی بار سردی کا احساس ہوا اور اس کے بدن میں کچکی سی درگمی۔ مردہ لوشیا نے دبی آواز میں کہا۔

”اگر تمہیں زیادہ سردی لگے تو مجھے بتا دینا۔ مردوں کی دنیا میں ٹھنڈ ہی ٹھنڈ ہوتی ہے۔ ابھی تمہیں اور بہت کچھ معلوم ہوگا۔ چلتی آؤ۔“ کبرے کی ٹھنڈے بادلوں والی سرنگ ختم ہوئی تو کئی نے سیاہ رنگ کی اونچی نیچی پتھریلی زمین والا ایک چھوٹا سا میدان دیکھا جس کے دونوں جانب کالی سیاہ پہاڑیوں میں بے شمار سرنگیں بنی ہوئی تھیں۔ ان سرنگوں میں گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی اور کسی کسی سرنگ کے اندر سے کسی عورت یا مرد کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ کئی نے پوچھا۔ ”یہ اندر کون رو رہا ہے؟“

مردہ لوشیا نے کہا۔ ”کئی! ایک بات ابھی سے یاد رکھو کہ تم جس دنیا میں آئی ہو یہ گناہ گار مردوں کی دنیا ہے۔ یہ ان لوگوں کی روحوں کے مردے ہیں جنہوں نے دنیا میں کبھی کوئی نیک کام نہیں کیا۔ ان کو کوئی نیک کام کیا بھی تو اس کے ساتھ ہی اتنا بڑا گناہ بھی کیا کہ نیکی اس کے بوجھ تلے دب گئی۔ یہ سب گناہ گار مردے ہیں۔ نیک لوگوں کے مردے اس دنیا میں نہیں آتے۔ وہ مرنے کے بعد سیدھے جنت میں چلے جاتے ہیں۔“

کئی کالے پہاڑوں کے غاروں سے آگے گزرتی گئی۔ ہر غار میں سے کسی نہ کسی عورت یا مرد کے بین کرنے کی ذراونی اور رد گتے گتے کر دینے والی آواز آرہی تھی۔ کئی خاموشی سے مردہ لوشیا کے ساتھ آگے بڑھتی چلی گئی۔ تاریک عذاب دینے والی غاروں کا سلسلہ ختم ہوا تو سیاہ چٹانوں میں گھرا ہوا ایک کالے پانی والا تالاب آ گیا۔ تالاب اتنا گندا تھا کہ اس میں سے جلیبے اٹھ رہے تھے۔ تالاب کے کنارے کئی نے ایک دہشت ناک منظر دیکھا۔ تالاب کے کنارے دلدل میں لمبے لمبے مکروہ صورت مگر چمچہ بیٹھے تھے۔ ہر مگرچہ کے سامنے ایک ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ مگرچہ منہ پھاڑ کر اس آدمی کو اپنے لمبے نوکیلے دانتوں میں پکڑتا۔ اس کی چیخیں نکل جاتیں۔ مگرچہ آدمی کو نگل جاتا۔ تھوڑی دیر بعد آدمی کو باہر اگل دیتا۔ اس کے بعد پھر اس آدمی کو پکڑتا۔ آدمی کی چیخیں بلند ہوتیں۔ مگرچہ اسے نگل جاتا اور پھر اسے اگل ڈالتا۔ آدمیوں کی چیخوں سے وہاں کان پھٹے جاتے تھے۔ مردہ

چھائی ہوئی تھی۔ اس نے پلٹ کر کئی کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”کئی! تم ایک ایسی دنیا میں جا رہی ہو جو زندہ لوگوں کی دنیا سے بہت مختلف ہے۔ تم مردہ لوگوں کی دنیا میں جا رہی ہو۔ وہاں تمہیں بڑی احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ ایک بات کا خاص خیال رکھنا کہ اگر کوئی مردہ تمہیں اپنی طرف بلائے تو ہرگز ہرگز اس کی طرف دھیان نہ دینا۔ اگر کوئی مردہ تمہیں تمہارا نام لے کر پیچھے سے آواز دے تو اس کی طرف مڑ کر مت دیکھنا۔ بس میرے ساتھ رہنا۔“

کئی نے پوچھا۔ ”کیا میں ایک آدھ گھنٹے میں مردوں کی دنیا کی سیر کر لوں گی؟“

مردہ لوشیا نے کہا۔ ”مردوں کی دنیا بڑی وسیع ہے۔ اس کی سیر کرنے کے لیے ایک عمر بھی کم ہے لیکن اگر تم نے میری ہدایتوں پر عمل کیا تو جب چاہو گی واپس آ سکو گی ویسے مردوں کی دنیا میں ایک جیسا وقت رہتا ہے۔ وہاں وقت تھم گیا ہے۔ وہاں ہر وقت دھندلی کبر آلود رات چھائی رہتی ہے۔ تم اگر وہاں ایک سال گزار دو گی تو تمہیں وقت کا احساس نہیں ہوگا۔ کیا تم اب بھی میرے ساتھ جانے پر تیار ہو؟“

کئی کی نظریں کھلی کھلی پر جھی ہوئی تھیں جس میں سے ہلکی ہلکی دھندلی رات کی نیلی روشنی آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔

”میں تیار ہوں۔“ ”تم میرے پیچھے اس دروازے میں سے گزراؤ۔“ اتنا کہہ کر مردہ لوشیا قبر کی کھڑکی میں سے دوسری طرف چلی گئی۔ اس کے ساتھ ہی کئی بھی کھڑکی میں سے دوسری طرف اتر گئی۔ دوسری طرف اترتے ہی پیچھے کھڑکی اپنے آپ بند ہو گئی۔ کئی نے چونک کر پیچھے دیکھا تو مردہ لوشیا نے آہستہ سے کہا۔ ”گھبراؤ نہیں، جب تم واپس آؤ گی تو یہ کھڑکی اپنے آپ کھل جائے گی۔“

کئی نے چاروں طرف دیکھا۔ اسے وہاں چاروں طرف کبرے کی لہریں فضا میں آہستہ آہستہ تیرتی ہوئی دکھائی دیں۔ فضا میں مشک کا فور کی بورچی ہوئی تھی۔ اس کے ارد گرد سوائے کبر اور دھند کی لہروں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ کافی اوپر جا کر کبر کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ مردہ لوشیا قدم قدم آگے چل رہی تھی۔ کئی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ دد کبر کے رنگ میں سے گزر رہے

نہ دیکھتی۔ جونہی کبھی نے بے اختیار ہو کر پیچھے دیکھا، اس کے دونوں پاؤں وہیں دو دوفٹ تک زمین میں ڈھنس گئے۔ اس کا جسم سن ہو گیا۔

لوشیا نے چیخ مار کر کہا۔ ”مَم نے پیچھے مڑ کر کیوں دیکھا، کبھی میں یہاں نہیں ٹھہر سکتی۔ مجھے آگ لگ رہی ہے۔ مجھے آگ لگ رہی ہے۔“

یہ کہہ کر مُردہ لوشیا یک دم غائب ہو گئی۔ غار میں وہی سنناہٹ کی آواز چھا گئی۔ کبھی گھٹنوں تک زمین میں ڈھنس کر پتھر بن چکی تھی مگر وہ دیکھ رہی تھی اور سن بھی رہی تھی۔ صرف اپنے بازو نہ ہلا سکتی تھی، نہ گردن سبز سکتی تھی، نہ قدم آگے اٹھا سکتی تھی۔ اب کبھی کو سخت افسوس ہوا کہ جب لوشیا نے اسے کسی آواز پر پیچھے مڑ کر دیکھنے سے منع کر دیا تھا تو اس نے پیچھے مڑ کر کیوں دیکھا۔ یہ غبر کی نقلی آواز تھی۔ اسے کسی گناہگار کی بددعا سننے پیچھے سے آواز دی تھی مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا، جو ہوتا تھا ہو چکا تھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ مُردہ لڑکی لوشیا اس کا ساتھ چھوڑ کر چلی گئی ہے۔

لوشیا نے کہا۔ ”یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں رہ کر لوگوں کا مال انہیں دھوکہ دے کر کھا جاتے تھے۔“

کبھی کانوں پر ہاتھ رکھ کر وہاں سے گزر گئی۔ آگے ایک بہت بڑے پیالے کی طرح ڈھلان آگئی۔ اس ڈھلان پر پتھر کی سیڑھیاں بنی تھیں۔ نیچے ایک گہرا گڑھا تھا۔ اس گڑھے میں لوہے کے دیکتے ہوئے ستون زمین میں گڑے تھے۔ لوہے کے ستون آگ کے انگاروں کی طرح دھک رہے تھے۔ سامنے پتھروں میں گول گول بڑے سوراخ تھے۔ ان سوراخوں میں سے آدمی نکلتے جیسے خواب کی حالت میں بڑھتے ہوئے ستونوں سے آکر لپٹ جاتے۔ ان کے جسم آگ سے جل اٹھتے۔ وہ درد ناک چیخیں بلند کرتے۔ ستونوں سے الگ ہو کر جلتے ہوئے واپس سوراخوں میں چلے جاتے۔ مُردہ لوشیا نے کبھی کو بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس اللہ کے ایک ہونے کا پیغام پہنچا لیکن وہ پھر بھی بتوں کی پوجا کرتے رہے۔ اب ان کی یہ سزا ہے کہ قیامت تک اس عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

اس گڑھے میں ایک غار تھا۔ مُردہ لوشیا کبھی کو ساتھ لے کر اس غار میں آگئی۔ غار میں سامنے کی جانب سے تھوڑی تھوڑی روشنی آ رہی تھی۔ فضا میں ایک خوفناک قسم کی سنناہٹ کی آواز گونج رہی تھی۔ کبھی اس سنناہٹ کے بارے میں مُردہ لوشیا سے کچھ پوچھنے ہی والی تھی کہ اچانک پیچھے سے غبر نے آواز دی۔

”کبھی میں غبر ہوں۔ یہاں آؤ۔“

کبھی نے پیچھے مڑ کر دیکھ لیا، حالانکہ لوشیا نے مُردوں کی دنیا میں داخل ہونے سے پہلے اسے تاکید کی تھی کہ اگر کوئی پیچھے سے آواز دے کر پکارے تو مڑ کر مت دیکھنا مگر یہ غبر کی آواز تھی اور یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ غبر اسے آواز دے اور کبھی پیچھے



نہ جانے کتنی دیر کیسی اسی طرح زمین میں دھنسی دہاں پتھر بنی کھڑی رہی کہ اسے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ یہ اس قسم کی آواز تھی جیسے کوئی بھاری قدم اٹھاتا اپنے آپ کو گھسیٹتا ہوا اس کی طرف چلا آ رہا ہو۔ کیسی صرف غار کے سامنے کی طرف ہی دیکھ سکتی تھی جدھر سے ہلکی ہلکی روشنی آ رہی تھی۔ اس روشنی میں کیسی کو ایک آدمی کا سایہ نظر آیا جو اپنے ایک پاؤں کو گھسیٹ گھسیٹ کر آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کیسی کے خون میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ یہ آہستہ آہستہ کون ہے اور اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ ایک بات ظاہر تھی کہ یہ کوئی مردہ تھا۔ زندہ انسان نہیں تھا اور مردوں کی دنیا میں عذاب جھیل رہا تھا۔ اور اب کیسی بھی اس عذاب میں مبتلا ہو چکی تھی۔ اسے امیراوتی دیوی کی صورت یاد آ گئی۔ اس نے کہا تھا۔

”مردوں کی دنیا میں اگر کسی مردے نے تمہیں پسند کر لیا تو پھر تم قیامت تک مردوں کی دنیا سے باہر نہ نکل سکو گی۔“

کیا میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دنیا میں قید ہو گئی ہوں؟ یہ سوچ کر کیسی دہشت زدہ ہو گئی۔ اس کا طاقت ور اور مضبوط دل بھی بیٹھنے لگا۔ لنگڑا مردہ اپنے ایک پاؤں کو گھسیٹتے ہوئے اب اس کے بہت قریب آ گیا تھا۔ اس کی شکل دیکھ کر کیسی کے رد گئے کھڑے ہو گئے اور اس کے حلق سے شیخ نکل گئی۔ لنگڑے مردے کی دونوں آنکھوں کے ڈیلے باہر کو نکل رہے تھے۔ سر کی کھوپڑی پر ایک لمبی جتنا بڑا بچھو بیٹھا اسے بار بار ذبک مار رہا تھا۔

اس نے کیسی کے قریب آ کر اسے غور سے دیکھا۔ کیسی نے خوف کے مارے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ لنگڑے مردے نے کیسی کے جسم پر اپنا کوٹ اتار کر ڈال دیا۔ کوٹ کیسی کے جسم پر پڑتے ہی پاؤں زمین نے چھوڑ دیئے۔ اس میں ایک بار پھر جان پڑ گئی مگر اب اس کے اندر جیسے ساری طاقت کسی نے اپنے قبضے میں کر لی تھی۔ اس کے کان میں ایک کھڑکھڑاتی ہوئی مردانہ آواز آئی۔

”کیسی! میرے پاس آ جاؤ۔ میں تمہاری راہ دیکھ رہا ہوں۔“ کیسی کے منہ سے اپنے آپ نکل گیا۔ ”میں آ رہی ہوں۔ میں بھی تمہاری تلاش میں تھی۔“

لنگڑے مردے نے کیسی کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے ساتھ لے کر اپنی ایک ٹانگ کو گھسیٹتا ہوا غار میں اس طرف چل پڑا جدھر سے

ہلکی ہلکی روشنی آ رہی تھی۔ کیسی یوں اس کے ساتھ جا رہی تھی جیسے وہ اپنی مرضی سے جا رہی ہو۔ غار ایک طرف کو گھوم گئی۔ آگے نیچے میڑھیاں اترتی تھیں۔ میڑھیاں اترنے کے بعد ایک بہت بڑا دالان آ گیا۔ اس دالان میں کالے پتھروں کے ستون چھت کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ سامنے ایک غار کا دروازہ تھا۔ دروازے کے اوپر ایک بچھو کا بت لگا ہوا تھا۔ لنگڑے مردے نے کیسی کا ہاتھ چھوڑ دیا اور خرخر کرتی آواز میں بولا۔ ”غار کے اندر چلی جاؤ۔“

کیسی جیسے خواب میں چل رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی غار کے اندر داخل ہو گئی۔ غار میں ایک گول کمرہ تھا جس کی چھت کے ساتھ انسانوں کی کھوپڑیاں ادھے کی زنجیریں سے لگی ہوئی تھیں۔ کمرے کی سامنے دالی دیوار کے ساتھ پتھر کے چوترے پر ایک راستہ نیچے جاتا تھا۔ نیچے سے ایک پنداسرا آواز آئی۔ ”نیچے آ جاؤ کیسی۔“ کیسی نیچے نہیں جانا چاہتی تھی مگر آواز میں ایسا جادو تھا کہ اس کے قدم اپنے آپ تہہ خانے کی میڑھیاں اترنے لگے۔ نیچے گھپ اندھیرا تھا۔ جوں ہی کیسی تہہ خانے میں آئی اور جو راستہ میڑھیوں میں کھلتا تھا فوراً بند ہو گیا۔ ایک بہت بڑے پتھر کی سل اس کے اوپر آ کر گر گئی تھی۔ کیسی گھبرا کر میڑھیوں کی طرف دوڑی۔ اس نے میڑھیاں چڑھ کر پتھر کی سل کو بنانے کی کوشش کی تو تہہ خانے میں ہلکی روشنی جو دھنکی اور ساتھ ہی وہی مردے کی پنداسرا آواز آئی۔

”تم اب قیامت تک میرے ساتھ اس قبر میں رہو گی کیسی۔ میں نے تم کو اپنی موت کا ساتھی بنا لیا ہے۔“ کیسی نے دیکھا کہ ہلکی روشنی میں کونے میں ایک تابوت کھلا پڑا تھا۔ روشنی اس کے اندر سے آ رہی تھی۔ کیسی نے چلانے کی کوشش کی مگر اس کی آواز حلق میں بیٹھ گئی۔ مردے کی آواز آئی۔ ”میں نے تابوت کا دروازہ کھول دیا ہے، میرے پاس آ جاؤ۔“

اس آواز میں ایسا جادو اور کشش تھی کہ کیسی اپنے آپ تابوت کی طرف بڑھی۔ تابوت کے اندر اس نے دیکھا کہ ہڈیوں کا ایک انسانی ڈھانچہ آلتی پالتی مارے کفن کی چادر کا ندھے پر ڈالے بیٹھا ہے۔ انسانی ڈھانچے نے اپنا ہڈیوں والا ہاتھ آگے بڑھا کر کیسی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ کیسی کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ وہ ہڈیوں کے ڈھانچے کے پاس بیٹھ گئی۔ (بقیہ آئندہ) ☆☆☆



مدیر تعلیم و تربیت، السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ ستمبر کا شمارہ خوب تھا۔ قلم کار کی کہانی پسند آئی۔ قلم کار کا سلسلہ جاری رکھیں اور اشتیاق احمد مرحوم کی کہانیاں بھی لگایا کریں۔ اے امید کا ناول "چاندنی رات میں سانپ" اچھا ناول ہے مگر ایک تجویز اگر منظور کریں کہ اس ناول کے بعد اشتیاق احمد صاحب کا حاسسی ناول ضرور شروع کریں۔ ایڈیٹر صاحب میری عمر بارہ سال ہے۔ میں نے ایک تحریر لکھی ہے، تھوڑی بہت کانت چھانٹ کے بعد اسے شائع ضرور کریں۔ جوابی لفظ ارسال ہے، اگر کوئی بات تحریر کے بارے میں ہوتی ضرور لکھیں۔ شکریہ! (عکاشہ نیازی، پکوال)

☆ آپ کی تعریف کا شکریہ! آپ مزید تحریریں بھیجیں اور ملی فون پر رابطہ رکھیں۔ امید ہے کہ تعلیم و تربیت کی پوری ٹیم خیر و عافیت سے ہوگی اور انکا شمار تیار کرنے میں جوش و خروش کے ساتھ مشغول ہوں گے۔ میرا نام ہاجرہ ہے۔ میں تیرہ سال کی ہوں اور آٹھویں جماعت کی طالبہ ہوں۔ بہت عرصہ بعد شرکت کر رہی ہوں۔ وجہ یہ تھی کہ کبھی رسالہ دیر سے ملا اور کبھی امتحان اور کبھی میسٹ وغیرہ ہوتے ہیں۔ بہر حال اس مرتبہ رسالہ سات تاریخ کو ملا۔ انعامی سلسلوں میں تو حصہ نہ لے سکی، البتہ ایک کہانی کے ساتھ حاضر ہوں۔ کہانی قابل اشاعت ہوئی تو ضرور شائع کیجئے گا۔ میں بہتر سے بہتر کہانیاں اور دیگر چیزیں لکھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اس مرتبہ بھی رسالہ ہمیشہ کی طرح بہترین تھا۔ تمام کہانیاں بہت پسند آئیں۔ اللہ نے چاہا تو اگلے ماہ پھر حاضر ہوں گی۔ فی امان اللہ! (ہاجرہ)

☆ اپنی تحریریں بھیجیں میڈاری ہوئیں تو ضرور شائع کریں گے۔

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔ تعلیم و تربیت کا اگست اور ستمبر کا

شمارہ زبردست تھا۔ میں اپنی پڑھائی میں مصروفیت کی وجہ سے دیر بعد خط لکھ رہا ہوں۔ اس شمارے کی کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ خاص طور پر وہ ایک سفر، ہم ہیں غازی، کام یابی کی شاہراہ سب سے اچھی تھیں۔ ہر مہینے کا شمارہ ٹاپ پر ہوتا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ میرا خط ضرور شائع ہوگا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تعلیم و تربیت کو دن بہ دن ترقی کی راہ پر گامزن رکھے۔ (رجب طارق، چوئیاں)

میرا نام عمر فاروق ہے۔ میں ہشتم جماعت میں پڑھتا ہوں۔ میں دوسری مرتبہ خط لکھ رہا ہوں۔ جب میں نے پہلی مرتبہ لکھا تو میرا خط شائع نہیں ہوا تھا۔ ستمبر کا شمارہ ٹاپ پر تھا۔ ناول "چاندنی رات میں سانپ" زبردست ہے۔ میں بارہ سال کا ہوں اور چار سال سے تعلیم و تربیت پڑھ رہا ہوں۔ میرا خط شائع کر کے میری حوصلہ افزائی فرمائیں۔

(محمد عمر فاروق، سیال کوٹ)

میں تعلیم و تربیت کا بہت پرانا قاری ہوں مگر لکھاری بننے کی پہلی دفعہ جسارت کی ہے۔ ستمبر کے شمارے کا سرورق دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا اور جلدیہ حب الوطنی خاصیتیں مارنے لگا۔ تعلیم و تربیت واحد رسالہ ہے جو تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی کرتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ تعلیم و تربیت صحافت کے آسمان پر ہمیشہ جگمگاتا رہے۔ آمین!

(محمد ارم، میانوالی)

میرا نام محمد بشیر ہے اور میں آپ کے رسالے کا پانچ سال سے قاری ہوں۔ یہ رسالہ ہمیشہ سے ہی بہت اچھا اور دل چسپ ہے۔ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی رسالہ بہت اچھا تھا۔ تمام کہانیاں بہت سبق آموز اور دل چسپ تھیں۔ داد کوئی علمی آزمائش اچھا سلسلہ ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ دو شکایات بھی ہیں۔ پہلی یہ کہ ہمارے شہر میں رسالہ بہت دیر سے پہنچتا ہے اور دوسری یہ کہ آپ نے معلومات عامہ کا سلسلہ بند کر کے اچھا نہیں کیا۔ اُمید کرتا ہوں آپ دونوں شکایات کو دُر کر کے کی کوشش کریں گے۔ اپنے خط کا اختتام میں اس شعر سے کرنا چاہوں گا۔

جب تک سورج چاند رہے گا
تعلیم و تربیت تیرا نام رہے گا

(محمد بشیر، ذریہ اہل خانہ)

☆ رسالے کی ترسیل کو بروقت بنانے کی کوشش کر رہے ہیں، جلد ہی آپ کی شکایت دُر ہو جائے گی۔

امید ہے آپ کی پوری ٹیم خیریت سے ہوگی۔ اگست کا شمارہ انتہائی

دل چسپ تھا۔ ساری کہانیاں بہت معیاری تھیں۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں نے اگست کے شمارے کی تعریف کی ہے، ستمبر کی کیوں نہیں کی۔ ستمبر کا شمار مجھے اب تک وسول نہیں ہوا۔ میں نے کئی مہینوں سے کسی گیم میں حصہ بھی نہیں لیا ہے کیوں کہ جب تک مجھے یہ رسالہ ملتا ہے، خط بھیجنے کی تاریخ گزر چکی ہوتی ہے۔ مجھے مطالعے کا بہت شوق ہے، اس لیے رسالے اور انٹرنیٹ پر معیاری کہانیاں پڑھتی ہوں اور گیمز میں بھی حصہ لینے کا شوق ہے۔ میں نے اپنے خط میں بہت غصے کا اظہار کیا ہے، اس لیے آپ سے تھوڑی سی ناراض ہوں لیکن اس کے ساتھ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ میرا خط ضرور شائع کریں گے۔ آپ سب لوگ میرے رزلٹ کے لیے دعا ضرور کیجئے گا۔ شکریہ! (شیرہ بیگم، حیدرآباد)

☆ چاری شیردیا! ہم آپ سے تعریف کے علاوہ تنقید کے بھی منظر رچے ہیں کیوں کہ تنقید تعلیم و تربیت کی بہتری میں معاون ثابت ہوگی۔ لہذا تعریف، تنقید اور تجاویز دیتی رہا کریں۔

آئی! آپ کسی ہیں؟ میں خیریت سے ہوں، آپ کی خیریت نیک مطلوب ہے۔ میں چار سال سے تعلیم و تربیت پڑھ رہی ہوں اور پچھلے ایک سال سے میں نے تعلیم و تربیت میں شرکت نہیں کی کیوں کہ میں اپنے نوویں جماعت کے امتحانات کی تیاری میں مصروف تھی۔

آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ میرے نوویں جماعت میں 485 فہر آئے ہیں۔ ستمبر کا رسالہ انسانی مذہب تھا۔ اللہ تعالیٰ تعلیم و تربیت کو دین دینی رات چنگنی ترقی دے۔ آمین! (سہلیہ شہباز، گوبانوالہ)

☆ مہلب! اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرے، آمین! آپ کی معیاری تحریروں کا انتظار رہے گا۔

مجھے تعلیم و تربیت بہت پسند ہے۔ مجھے ہر ماہ اس کا بے مہری سے انتظار رہتا ہے۔ یہ میرا پہلا خط ہے، اس لیے شائع ضرور کیجئے گا۔ پورا نہیں آدھا ہی شائع کر دیجئے، ورنہ میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گی۔ (امد بیگم، لاہور)

☆ پیاری آمد! ناراض مت ہوں۔ رسالے میں بھرپور شرکت کیا کریں۔ امید ہے آپ خیر و عافیت سے ہوں گی۔ تعلیم و تربیت بہت اچھا اور معلوماتی رسالہ ہے۔ امید کرتی ہوں کہ مزید نکھرے اور منور ہوں گے۔ اللہ اسے ترقی سے قریب تر کرے۔ (آمین!) تمام تر سلسلے، کہانیاں اور مختصر معلوماتی، خوب سمورت اور اچھی تھیں۔ ہر کہانی قابل تعریف

تھی۔ 30 تاریخ کو ہی یہ خوب سمورت رسالہ میرے گھر جلوہ افروز ہوا۔ اپنا خط دیکھ کر ہاتھیں کھل گئیں۔ آپ کا شکریہ کہ آپ نے اسے خوب سمورت جانا اور حوصلہ افزائی کی۔ 6 ستمبر کے رسالے سے کافی مواد پڑھنے کو ملا۔ یہ دن ہمارے جیالوں کی یاد کا عظیم دن ہے، جب کہ بھارت کی عبرت ناک شکست کا دن تھا۔ ان کی بہادری آج تک ضرب المثل ہے۔ واقعی! ہم سب کو پاکستان سمیت ہر اس چیز پر فخر اور شکر کہ ناچاہیے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کیں۔ ہم خوش قسمت ترین لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں محمد بن قاسم، صلاح الدین ایوبی اور ظہیر الدین بابر جیسے جرنی اور بہادر محافظ عطا کیے۔ محترمہ ایڈیٹر صاحبہ! آئندہ سے میں مریم اعجاز کی بجائے "مریم اعجاز مریم" کے نام سے شرکت کروں گی۔ اللہ آپ سب کا محافظ و نگہبان ہو۔

(مریم اعجاز مریم، لاہور)

محترم ایڈیٹر صاحبہ! امید ہے کہ آپ اور آپ کی ٹیم بخیریت ہوں گی۔ آپ کو بہت بہت غید مبارک۔ آپ نے ستمبر کے شمارے میں غید سے تعلق کہانی تو شائع کر دی مگر آپ ہمیں نابالغ غید مبارک کہنا بھول گئیں۔ ٹیکس ہم نے تو کہہ دیا تھا۔ یہ تو پورا شمارہ ہی زبردست تھا مگر قند کمر میں "وہ ایک سنر" نے دل موہ لیا۔ "چاندنی رات میں سانپ" اچھا جا رہا ہے مگر اس کی سپینڈ تھوڑی بڑھائیے۔ لاہور، انگریز عہد کی عمارتیں پڑھ کر معامہ ہائے انسانیت ہوا۔ (حافظ فیض شرف)

☆ تعریف کا شکریہ! آپ کے تعاون کے بغیر یہاں کے۔

ان ساریوں کے خطوط بھی بہت مثبت اور اچھے تھے، تاہم جگہ کی کمی کے باعث ان کے نام شائع کیے جا رہے ہیں:

شم مر، مریم منیر، عظم علی، نیر شان، پونیاں۔ مہربان، فادور، کندیاں۔ ثانیہ امتیاز، حماس صادم، محمد وانیال، محمد رمیز بٹ، آمنہ یوسف، لاہور۔ وجیہہ کا خلیل اعزاز، پشاور۔ محمد علی فاروقی، رحیم یار خان۔ محمد فہد بٹ، حلیم اسحاق، جہلم۔ اسامہ بن خرم، گوجرانوالہ۔ محمد آصف، سرحد۔ وجیہہ خلیل، گوجرانوالہ۔ محمد اسامہ، سعید، نوہ ٹیک سنگھ۔ حمیرا خاتون، کادروکٹ۔ سائرہ حبیب، نرال حبیب، تانولیا، نوالہ۔ ندا افتخار، چشتیاں۔ شہزادہ سعید بٹ، سیالکوٹ۔ ملک محمد نمر، فیصل آباد۔ محمد خرم شاہین، لیہ۔ نازیہ زرقی، نوشہرہ۔ میوٹ نوید، راول پنڈی۔ کشف طاہر، لاہور۔ نجات رفیق، ہوا بخش۔ حافظ محمد عثمان، تحریک نور طاہر، گجرات۔ سدھام صادق، راول پنڈی۔ سید المصطفیٰ، فیصل آباد۔ منیش آفاق، کراچی۔ نائلہ خرم، گوجرانوالہ، کینٹ۔ عباس شریف، جہلم۔ نیام عبداللہ، کوہاٹ۔

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائس کو الٹی پی ڈی ایف
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
ایڈفرس لنکس
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
کتاب کی مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
نازل اور عمران سیریز کی مکمل رینج

Click on <http://paksociety.com> to Visit Us

<http://fb.com/paksociety>

<http://twitter.com/paksociety1>

<https://plus.google.com/112999726194960503629>

پاک سوسائٹی کو فیس بک پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو ٹویٹر پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو گوگل پلس پر جوائن کریں

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس

بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

**Dont miss a singal one of
your Favourite Paksociety's
Update !**

- i. Open Paksociety Page.
- ii. Click Liked.
- iii. Select Get Notifications.
- iv. Select See First.

All Done

Like Liked Message

☒ Get Notifications
Add to Interest Lists...

Unlike

IN YOUR NEWS FEED

☒ See First
See new posts at the top of News Feed

Default
See posts as usual

Unfollow



بریانی کا سیار بھی بڑھائے، لیکن سیٹھ بریانی والا کی بریانی کے کمال کو وہ نہیں پہنچ پایا تھا۔ وہ صبح شام اسی فکر میں پریشان رہتا تھا۔ اس نے کوشش کر کے اس طریقے کو بھی جان لیا تھا، جس کے مطابق سیٹھ بریانی والا اپنی بریانی پکاتا تھا لیکن پتا چلنے کے باوجود بھی وہ کچھ نہ کر سکا تھا۔ آخر ناکام ہو کر وہ سیٹھ بریانی والے کا دشمن بن گیا۔

سیٹھ بریانی والا طبیعت کا بڑا کھرا آدمی تھا۔ لپٹی رکھے بغیر ہر بات کہہ دیتا تھا۔ اس نے دن رات محنت سے یہ مقام حاصل کیا تھا۔ شہر کے اکثر لوگ اس سے واقف تھے اور اس کے ہنر کو سراہتے تھے۔ سیٹھ کو بھی یہ احساس تھا کہ اس کی باکمال بریانی نے اسے پورے شہر میں مشہور کر دیا ہے اور وہ علیم الدین سے بھی واقف تھا۔ اس نے تو ازل روز سے ہی یہ کوشش کی تھی کہ اس کے ساتھ اس کے تعلقات بہتر رہیں لیکن علیم الدین اس راہ پر آتا ہی نہ تھا۔ وہ اس سے ملنا تو درکنار اس کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

ایک دن سیٹھ بریانی والا دکان پہ جانے لگا تو نہ جانے کیوں اس کا دل گھبرانے لگا اور ذہن میں طرح طرح کے دسوے آنے لگے۔ اس دن ہر چیز تیار کر دہ دکان پر آ بیٹھا تھا۔ دیکھیں سجاتے ہی گا کہ آنا شروع ہو گئے تھے۔ دکان پر اس نے دو ملازم رکھے ہوئے تھے جو گاہکوں کی بڑی ہوشیاری کے ساتھ خدمت

سیٹھ بریانی والے کی چٹ خاں دار بریانی کھا کر آدمی ہر چیز بھول جاتا تھا۔ ایک بار جو اس کی دکان پر آتا، وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا۔ سیٹھ بریانی تو بیچتا ہی تھا لیکن جو مزہ بریانی کے ساتھ اس کی روان کنسری دیتی تھی، وہ کہیں اور بھلا کہاں مل سکتا تھا۔

”ارے شیخ صاحب! زندگی بھر ایسی بریانی نہیں چکھی ہوگی!“
”میاں جی! مبارکے ترستے ہیں اس بریانی کو۔“
”کسی فردے کو ہماری بریانی سنگھار دے، وہ بھی جی اٹھے گا۔“
اور یہ خالی باتیں نہیں تھیں۔ دیکھ میں سفید اور زرد دیکھتے چادل یوں علیحدہ علیحدہ پڑے ہوتے گویا ابھی گن کر رکھے ہیں۔ مجال ہے جو بوٹی کا ایک ریشہ بھی الگ ہو جائے اور یہ اسی بریانی کا کمال تھا جس نے اسے فٹ پاتھ سے اٹھا کر ایک چمکتی دکتی بڑی سی دکان کا مالک بنا دیا تھا۔ اس کے خیر خواہ اس پر رشک کرتے تھے اور بدخواہ؟ وہ تو آپ جانتے ہی ہیں کسی کو پھلتا پھولتا دیکھ ہی نہیں سکتے۔

ایسے ہی بدخواہوں میں علیم الدین نام کا ایک آدمی بھی تھا۔ اس نے بھی سیٹھ بریانی والا کے قریب بریانی کی دکان کھولی تھی۔ لیکن جو رش سیٹھ بریانی والا کی دکان پر ہوتا تھا، اس کا دسواں حصہ بھی اسے نصیب نہ تھا۔ اپنے تئیں اس نے بڑی کوشش کی کہ اپنی

کرتے تھے۔ کوئی گیارہ بجے کے قریب علاقے کا تھانے دار چند سپاہیوں کے ساتھ وہاں پہنچا۔ سینٹھ نے انہیں دیکھتے ہی خوش آمدید کہا لیکن تھانے دار نے سینٹھ کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا اور دیگوں کے ڈھکن اٹھا اٹھا کر جھانکنے لگا۔

”سرکار، مجھے حکم کریں۔“ سینٹھ نے حیرانی سے کہا کیوں کہ اس سے قبل ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

”خاموش رہو!“ تھانے دار نے اسے ڈانٹا۔ وہ اس وقت ایک دیگ کا ڈھکن اٹھا رہا تھا۔

”اوہو! یہ لال..... لال..... کیا چیز چمک رہی ہے اندر؟“ تھانے دار نے پوچھا۔

”بوتیاں ہیں، سرکار!“ سینٹھ نے جواب دیا۔

تھانے دار نے ایک سپاہی کو اشارہ کیا تو اس نے ایک دیگ میں ہاتھ ڈالا اور جب وہ ہاتھ باہر آیا تو لوگوں کے منہ سے حیرانی سے اودا ایں اور یہ کیا؟ کی آوازیں نکلیں۔

سپاہی کے ہاتھ میں دو نند لال بیک نظر آ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے دکان پر لوگوں کا جھوم اٹھنا ہو گیا۔ بریانی کھاتے ہوئے گاہک بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ دو گاہک توتے کرنے لگے۔

”ہونہہ! تو تم اپنے گاہکوں کو یہ الا بلا کھلاتے ہو؟ یہ ہوتی ہیں تمہاری بوتیاں؟“ تھانے دار نے طنز یہ نگاہوں سے سینٹھ بریانی والا کو گھورا جو بے جان بت کی طرح کھڑا تھا۔

”دس سال کا عرصہ ہو گیا مجھے بریانی بیچتے ہوئے۔ آج تک کوئی گاہک اس میں سے ایک کیڑا تک نہیں نکال سکا۔“ سینٹھ بولا۔

”لیکن آج تو سینٹھ صاحب کمال ہو گیا! اتنے بڑے بڑے لال بیک نکل آئے۔“ تھانے دار نے ڈنڈے کو گھماتے ہوئے کہا۔

”یہ جھوٹ ہے۔“ سینٹھ بولا۔

”جھوٹ سچ کا پتا تو تھانے دار چلے گا، سینٹھ بریانی والا۔“ تھانے دار نے کہا اور اسے دھکیلتا ہوا تھانے لے گیا۔ سپاہیوں نے دکان کو تالا لگا دیا۔

سینٹھ بریانی والا کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔ وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے سر پر آسمان ٹوٹ پڑا ہو۔ اس کی ساکھ بہت بڑی طرح متاثر ہوئی تھی۔ یہ بات اس کے

ذہن میں کسی طرح بھی نہیں مارتی تھی کہ اس کی بیگم میں لال

بیک آجائیں۔ وہ تو انہماک کا صفائی پسند تھا۔ یوں ہی سوچتے سوچتے اسے ایک خیال آیا تو وہ چونک اٹھا۔ ”واقعی، یہ عجیب بات ہے۔ دیگ میں لال بیک آئے کہاں سے؟ اور پھر بالکل اوپر، جنہیں سپاہی نے اتنی آسانی سے نکال لیا؟ دیگیں دکان میں سیٹ کرنے کے بعد میں نے خود ہر دیگ کو چیک کیا تھا۔ کسی بھی دیگ میں لال بیک نہیں تھے۔ اس کے خلاف یہ کسی کی سازش تو نہیں؟ اور اگر سازش ہے بھی تو وہ اس کا توڑ کیسے کرے؟“

اب اتفاق کی بات دیکھیے کہ پولیس کے ایک ایس پی صاحب کے ہاں بھی دوپہر کے وقت اس کی بریانی جاتی تھی۔ دوپہر کے وقت ایس پی کا خانساں آیا تو دکان بند تھی۔ وہ اصرار سے معلوم کر کے چلا گیا اور ڈرتے ڈرتے اپنے صاحب کو ساری بات کہہ دی۔ ایس پی صاحب پہلے تو حیران ہوئے پھر بولے:

”ناممکن! یہ بات ناممکن ہے! آج تک ایسا نہیں ہوا۔ اتنی بیک بریانی صفائی کے بغیر نہیں بن سکتی۔ ہاں، یہ ممکن ہے کہ غلطی سے لال بیک دیگ میں جا گرے ہوں۔“

”جی، سر!“ خانساں نے ادب سے کہا۔

”میں خود دیکھتا ہوں۔ سینٹھ کو اس غلطی پر تھانے نہیں لے جاتا چاہیے تھا۔“ ایس پی صاحب بولے۔

کچھ دیر بعد ایس پی صاحب تھانے پہنچے تو تمام قافلہ اس اچانک دورے سے حیران اور پریشان ہو گیا اور جب انہیں ان کی آمد کے مقصد کا پتا چلا تو ان کے ہاتھوں کے ٹوٹے اڑ گئے۔ تھانے دار بوکھلا گیا۔ وہ تو سینٹھ کو یوں ہی تھانے لے آیا تھا اور سرزنش کرنے کے بعد اسے چھوڑنے والا تھا۔

سینٹھ بریانی والا کو ایس پی صاحب کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے پوچھا۔ ”کیوں سینٹھ، یہ کیا جکر ہے؟“

”چکر تو جناب میں بھی نہیں سمجھ پایا۔ میرے خلاف کوئی سازش معلوم ہوتی ہے۔ سارا شہر طویل عرصے سے میری بریانی کھا رہا ہے۔ ایک دفعہ بھی کسی نے شکایت نہیں کی۔“ سینٹھ نے جواب دیا۔

”تو پھر یہ لال بیک؟“ ایس پی صاحب نے پوچھا۔

”تھانے دار صاحب، وہ لال بیک تو آپ نے سنبھال کر رکھے ہوں گے۔“ سینٹھ نے تھانے دار سے مخاطب ہو کر کہا۔

تھانے دار نے جھوٹے مسکراہٹ سے ایک الفاظ نکالا اور سینٹھ

کے سامنے رکھ دیا۔ سیٹھ بریانی والا نے بغور ان کا معائنہ کیا اور پھر ایک لمبی سانس لیتے ہوئے کہا:
”یہ میری دیگوں کے پکنے کے بعد ان میں گرے ہیں۔ پہلے

طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

”علیم الدین نے لال بیک دیگ میں ڈلوا کر تھانے دار صاحب کو اطلاع دی تو یہ مجھے گرفتار کرنے آئے، حالاں کہ علیم الدین



یا پکنے کے دوران گرتے تو ان کا نام و نشان نہ ملتا۔“

”درست کہتے ہیں آپ“ ایس بی صاحب نے سیٹھ کی بات کی تائید کی۔

اس سے قبل کہ تھانے دار کچھ کہتا، سیٹھ کا ایک ملازم اندر داخل ہوا اور سیٹھ کے کان میں سرگوشی کرنے لگا۔ سیٹھ حیرانی سے سر ہلاتا جاتا تھا۔ ملازم کے بات ختم کرتے ہی وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور بولا: ”یہیے جناب! کھیل ختم ہو گیا۔ یہ کمال میرے ایک ملازم نے کیا ہے۔“

”کیا مطلب؟“ ایس بی صاحب بولے۔

”مُرانا قصہ ہے، صاحب۔ علیم الدین نام کا ایک شخص میری دکان کے پاس ہی بریانی فروخت کرتا ہے لیکن میرے مقابلے میں اس کی دکان داری نہیں چلتی۔ اس نے میرے ایک ملازم کو لالچ دے کر یہ لال بیک دیگ میں ڈلوائے تھے تاکہ میرا کاروبار چوپٹ ہو جائے۔“

”مگر اسے کس طرح پتا چلا؟“ ایس بی صاحب نے ملازم کی

نے ملازم سے صرف یہی کہا تھا کہ ذرا اس کی ساکھ خراب کرنی ہے۔ میری گرفتاری کے بعد اس ملازم نے جگہ بات بتادی۔“

”ہم آپ سے معافی چاہتے ہیں سیٹھ بریانی والا۔“ ایس بی صاحب نے کہا۔

”تکلیف تو جناب، آپ نے میری خاطر کی۔“ وہ تو میرا فرض تھا۔ آپ کی صفائی اور نفاست کا میں قائل تھا، اس لیے چلا آیا۔“ ایس بی صاحب نے کہا۔ ”اور ہاں، اس علیم الدین کو سازش کرنے کے جرم میں گرفتار کر لیا جائے۔“ انہوں نے تھانے دار کو حکم دیا۔

”جی بہتر، جناب..... چھوڑیں اس بات کو۔“ سیٹھ بولا۔

”اس نے آپ کو نقصان پہنچایا ہے، سیٹھ صاحب!“ ایس بی صاحب بولے۔

”اسے سزا مل گئی ہے۔ میرے اسی ملازم نے ہر شخص کو اس کے بارے میں بتا دیا ہے۔“ سیٹھ نے کہا۔

”ٹھیک ہے، جیسے آپ کی مرضی۔“ یہ کہہ کر ایس بی صاحب



باربی کیو مصالحہ

آدھا چائے کا چمچ	ہلکی پادوڑ:	100 گرام	ثابت لال مرچ:	دو کھانے کے چمچ	اشیاء:
دو کھانے کے چمچ	بڑی الائچی:	دو عدد	جائفل:	دو کھانے کے چمچ	ارنگ:
دو کھانے کے چمچ	جاوڑی:	دو کھانے کے چمچ	سبز الائچی:	دو کھانے کے چمچ	دارچینی:
چار کھانے کے چمچ	ایرک کا پاؤڈر:	چھ کھانے کے چمچ	بھنا دوا زیرہ:	چار کھانے کے چمچ	کالی مرچیں:
ایک چائے کا چمچ	ٹمک:	آدھا چائے کا چمچ	کباب جینی:	آدھا چائے کا چمچ	سونف:
آدھا چائے کا چمچ	زردے کا رنگ:	دو چائے کے چمچ	لہسن پاؤڈر:	آدھا چائے کا چمچ	اجرائن:

ترکیب: تمام چیزوں کو ایک ساتھ اچھی طرح چس کر کسی صاف بوتل میں ڈال کر رکھ لیں اور جب بھی باربی کیو کرنا ہو اس مصالحے کو استعمال کریں۔
(کالانک کے علاوہ تمام اشیاء کو توڑے پر بھون لیں۔)

ٹومیٹو کیچپ

ایک کلو گرام	چینی:	ایک چائے کا چمچ	لال مرچ (پسی ہوئی):	دو کلو	اشیاء:
ٹمک:	ٹمک:	ایک چائے کا چمچ	اورک لہسن کا پیسٹ:	آدھا کپ	ٹماٹر:
				آدھا چائے کا چمچ	سرکہ:
					لال رنگ:

ترکیب: ٹماٹروں کو بڑے کیوبز میں کاٹ لیں۔ اب انہیں پانی کے بغیر تیس منٹ کے لیے اُبالیں اور اینڈ کر لیں۔ پھر گودے کو ہادیک پھان لیں۔ اب اس میں لہسن لال مرچ، چینی، سرکہ، اورک لہسن کا پیسٹ، رنگ اور لال رنگ شامل کر کے اتار پکائیں کہ کچھ تیار نہ جائے۔ پھر اسے ٹھنڈا کر کے اسٹریلائزڈ بوتل میں بھر لیں۔

میٹھی چٹنی

سب ذائقہ	ٹمک:	آدھا کپ	براؤن شوگر یا شکر:	ایک کپ	اشیاء:
ایک چائے کا چمچ	بھنا دوا زیرہ:	آدھا چائے کا چمچ	سونڈ:	آدھا چائے کا چمچ	اٹی کارن:
				ایک چائے کا چمچ	اجرائن:
					لال مرچ پاؤڈر:

ترکیب: تمام چیزوں کو مکس کر کے ایک پیں میں ڈال کر 5 سے 7 منٹ کے لیے پکا لیں۔ جب ذرا گاڑھی ساس بن جائے تو ٹھنڈی کر کے کسی بوتل میں ڈال کر فریج میں رکھ دیں۔ جب ضرورت ہو تو استعمال کریں۔



لڈو

روایتی کھیل

کھیل نام:

لڈو ہے، وہ جیت جاتا ہے۔ دوسرے طریقہ میں دو، دو کھلاڑیوں کی ٹیمیں بن جاتی ہیں۔ سفید رنگ کی 9 گولیاں ایک نیم منتخب کرتی ہے جب کہ کالے رنگ کی 9 گولیاں دوسری نیم کے حصے میں آتی ہیں۔ سرخ رنگ کی بلکہ مشترک ہوتی ہے۔ چونکہ اس کے دس نمبر ہوتے ہیں، اس لیے یہ فیصلے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ کھیل کی ابتداء میں تمام گولیاں ایک خاص انداز سے بورڈ کے درمیان رکھی جاتی ہیں۔ پھر ہر کھلاڑی اپنی باری پر اسٹرائکر کو درمیان میں رکھ کر اپنی گولیاں اپنی سامنے والی جیبوں میں لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر غلطی سے اسٹرائکر جیب میں چلا جائے تو کھلاڑی کو جرمانے کے طور پر اپنی اسکور کی ہوئی گولیاں بورڈ پر رکھنا پڑتی ہے۔ ملکہ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے کھلاڑی کم از کم ایک گولٹی اسکور کر چکا ہو۔ اسی طرح ملکہ کو اسکور کرنے کے بعد بھی ایک گولٹی اسکور کرنا شرط ہے، ورنہ ملکہ پھر سے بورڈ کے درمیان حصے میں سجانی پڑتی ہے۔ جو نیم پہلے گولیاں اسکور کرے، وہ مخالف نیم کو اتنے نمبروں سے شکست دے دیتی ہے جتنی مخالف نیم کی گولیاں باہر بورڈ پر پڑی ہوں۔

لڈو:

اس دل چسپ کھیل کو کھیلنے کے لیے میدان یا لان کی ضرورت نہیں۔ اس کھیل کے لیے مختصر سا سامان درکار ہوتا ہے۔ پلائی وڈ کا یا ایک بورڈ، ایک اسٹرائکر (striker) اور انیس گولیاں اس کھیل کا مکمل سامان ہیں۔ اسٹرائکر کی بدولت سے گولیاں کو کھیلا جاتا ہے۔ کیرم بورڈ مربع شکل کا ہوتا ہے۔ اس کے چاروں کونوں میں 4 انچ کے قطر کے سوراخ (hole) ہوتے ہیں۔ ان سوراخ کے نیچے جالیاں ہوتی ہیں۔ انہیں بورڈ کی جیبیں (pockets) کہا جاتا ہے۔ بورڈ کے درمیان میں گولیاں رکھنے کے لیے دائرہ نما جگہ ہوتی ہے۔ بورڈ کے کنارے تھوڑے اونچے ہوتے ہیں تاکہ کوئی گولٹی باہر نہ جاسکے۔ کناروں کے چاروں طرف لائن لگی ہوتی ہے جس پر اسٹرائکر رکھ کر گولٹیوں کو کھیلا جاتا ہے۔ اس کھیل کو بھی دو سے چار کھلاڑی کھیل سکتے ہیں۔ چار کھلاڑی ہوں تو دو، دو کی ٹیمیں بن جاتی ہیں۔

اس کھیل کو دو طریقوں سے کھیلا جاتا ہے۔ پہلا طریقہ نسبتاً سادہ ہے۔ اس میں ہر کھلاڑی ہر گولٹی کو اسکور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہر گولٹی کا ایک نمبر ہوتا ہے جبکہ ملکہ (Queen) جو سرخ رنگ کی واحد گولٹی ہوتی ہے، اس کے دس نمبر ہوتے ہیں۔ یہ بورڈ کے عین درمیان میں رکھی جاتی ہے۔ اس میں جو کھلاڑی زیادہ نمبر

یہ روایتی کھیل بہت دل چسپ ہوتا ہے۔ لڈو ہماری روایات کا

حصہ ہے۔ اس کھیل میں دو سے چار کھلاڑی حصہ لے سکتے ہیں۔ ہر کھلاڑی اپنے حصے کی چار، چار گولیاں رکھ لیتا ہے۔ یہ چار قسم کی گولیاں مختلف رنگوں میں ہوتی ہیں۔ آٹے سائے بیٹھنے والے کھلاڑیوں کی ایک، ایک نیم بن جاتی ہے، تاہم چاروں کھلاڑی اکیلے اکیلے بھی کھیل سکتے ہیں۔

کھیل کی ابتداء کوئی بھی کھلاڑی کر سکتا ہے۔ کھلاڑی دانے کو ڈبیا میں ڈال کر ہلاتا ہے اور پھر پھینکتا ہے۔ جب تک کسی کھلاڑی کے چھ نمبر نہیں آتے، وہ اپنی گولی اپنے باہر والے خانوں میں نہیں لاسکتا۔ ہر کھلاڑی اپنی اپنی باری پر دانہ پھینکتا جاتا ہے۔ جیسے جیسے کھلاڑی کے چھ نمبر آتے جاتے ہیں، وہ اپنی گولیاں باہر نکالتے جاتے ہیں۔ ہر گولی کا سفر ستارے والے خانے سے شروع ہوتا ہے۔

اس کھیل کی اہم اور دل چسپ صورت حال یہی ہے کہ ہر کھلاڑی اپنی گولیاں، مخالف کھلاڑی کی گولیوں سے بچاتا ہوا پوری لڈو کا چکر مکمل کرتا ہے۔ پھر اپنے ہی خانے کے قریب لا کر وہاں سے درمیان کے بڑے خانے یعنی ”گھر“ میں لے جاتا ہے۔ کھیل کا یہ پہلو بھی دل چسپ ہے کہ جہاں مخالف کھلاڑی کی گولی مرہ تصور کی جاتی ہے اور اس گولی کو پھر سے باہر نکالنے کے لیے قسمت والے دائرے میں لانا پڑتا ہے لیکن اگر کوئی گولی ستارے والے خانے میں موجود ہے تو وہ محفوظ تصور کی جاتی ہے اور مخالف کھلاڑیوں کی گولی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ ستارے والے خانے میں اگر ایک گولی پڑی ہے تو مخالف کھلاڑی بھی اپنی گولی وہاں رکھ سکتا ہے۔ اس کھیل کی کام یابی بھی اسی کو حاصل ہوتی ہے جو اپنی چاروں گولیاں نکال کر سب سے پہلے ”گھر“ میں لے جاتا ہے۔

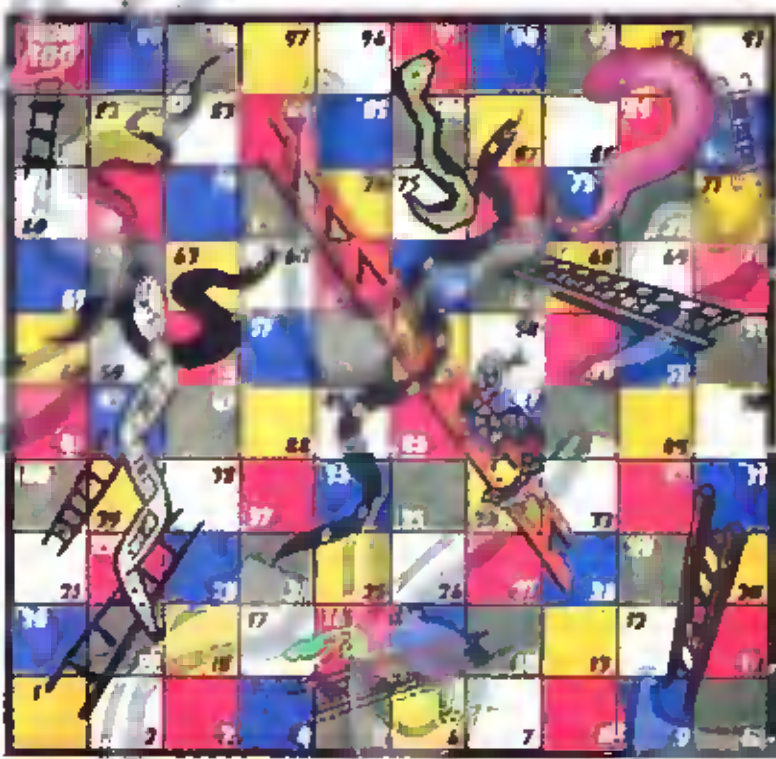
سانپ اور سیڑھی کا کھیل:

یہ کھیل بھی لڈو کا ہی حصہ ہے۔ یہ کھیل زیادہ سادہ اور آسان ہے۔ بچوں اور بڑوں میں خاصا مقبول ہے۔ لڈو کے اس کھیل میں بھی دو سے چار کھلاڑی حصہ لے سکتے ہیں۔ لڈو کے ایک طرف سے سو تک عدد درج ہوتے ہیں۔ ہر عدد ایک خانے کا حصہ ہوتا ہے۔ کئی خانوں سے سیڑھیاں اوپر جاتی نظر آتی ہیں اور کئی خانوں پر سانپوں کے منہ بنے ہوتے ہیں جہاں سے سانپ بل کھاتا نیچے آتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ سانپ اور سیڑھی کا کھیل ہے۔

کھیل کے لیے ایک چھوٹی ڈبیا اور ایک چھ ہموار سطحوں والے

دانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس دانے کی سطحوں پر ایک سے چھ تک یعنی چھ سطحوں پر چھ تک نقطے بنے ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ چار مختلف رنگوں کی پلاسٹک کی گولیاں ہوتی ہیں۔ چار کھلاڑی ہوں تو چار اور دو ہوں تو دو گولیوں سے کام چلایا جاسکتا ہے۔ ہر کھلاڑی اپنی گولیاں ابتدائی خانے میں رکھتا ہے۔ کھیل کی ابتداء کسی بھی کھلاڑی سے کی جاسکتی ہے۔ ہر کھلاڑی چھ دانے کو ڈبیا میں ڈالتا ہے، ہلاتا ہے اور پھر آہستہ سے پھینکتا ہے۔ جتنے نقطے اوپر آئیں، وہ کھلاڑی کا اسکور تصور ہوتا ہے۔ وہ اپنی گولی اتنے خانے آگے لے جاتا ہے۔

ہر کھلاڑی اپنی اپنی باری پر دانہ پھینکتا جاتا ہے اور اپنے اپنے پوائنٹ کے حساب سے اپنی گولی آگے بڑھاتا جاتا ہے۔ اگر کسی



کھلاڑی کی خوش قسمتی سے گولی ایسے خانے میں پہنچ جائے، جہاں سے سیڑھی اوپر جاتی ہے تو کھلاڑی کی گولی سیڑھی کے آخری کونے والے خانے میں آ جائے گی لیکن اگر انہی خانوں میں سانپ والے خانے میں آ جائے تو گولی سانپ کی دم والے خانے میں نیچے چلی جائے گی۔

ہر کھلاڑی اپنے طور پر کوشش کرتا ہے کہ سب سے پہلے اس کی گولی 100 نمبر والے خانے میں پہنچ جائے تاکہ جیت اسی کی ہو، تاہم یہ کھیل اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک چاروں کھلاڑی اپنا کھیل مکمل نہ کر لیں۔ یوں پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی پوزیشن کا تعین ہوتا ہے۔

☆☆☆

اس تصویر کا اچھا سا عنوان تجویز کیجئے اور 500 روپے کی کتب لیجئے۔ عنوان
بیچنے کی آخری تاریخ 10 اکتوبر 2016ء ہے۔

بلا عنوان



ستمبر 2016ء کے "بلا عنوان کارنوں" کے لیے جو عنوانات موصول ہوئے، ان میں سے مجلس ادارت
کو جو عنوانات پسند آئے، ان عنوانات میں سے یہ ساتھی بہ ذریعہ قریب اندازی 500 روپے کی
انعامی کتب کے حق دار قرار پاسے۔

(علینا اختر، کراچی)

(ندا خان، پشاور)

(حیان مرزا، حیدر آباد)

(حسنین مقصود، لاہور)

(نسیان علی، اوکاڑہ)

▶ پانی آنے کی بات کرتے ہو، دل جلانے کی بات کرتے ہو

▶ ہڈی جڑ نکلے بھی، ڈاکٹر یوں پلیر بھی

▶ اب تو آ جا کہ تجھے یاد کیا ہے میں نے

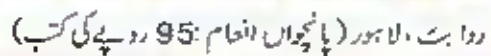
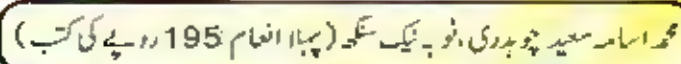
▶ تشخیص بے مثال لیکن مرض لا علاج

▶ پیوستہ روٹھ جھڑے، دھند بھار دھند

2016 اکتوبر

تہذیبیت

64



آخری تاریخ: 18 اکتوبر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آن لائن بیسٹ سیلرز:-



طلبہ و طالبات کے لیے فیروز سنز کی معیاری نِغات

